اہل سنت کے نزدیک

اہل بیت کا مقام و مرتبہ

تالیف

ڈاکٹر عبد المحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ

اردو ترجمہ

شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ



نام کتاب : اہل سنت کے نزدیک اہل بیت کا مقام ومرتبہ

مولف : ڈاکٹر عبد المحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ

مترجم : شیخ الحدیث حافظ محمد امین حفظہ اللہ

صفحات : ۱۳۵

ناشر : وزارت اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد مملکت سعودی عرب

فہرست مضامین

مقدمہ

الْحَمْدُ للهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ، وَمَنْ سَلَكَ سَبِيلَهُ وَاهْتَدَى بِهَدْيِهِ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

تعریف اللہ کی۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اس سے مدد طلب کرتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں' نیز ہم اپنے نفس کے شر اور اعمال کی خرابی سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر رکھے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا، اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا۔

میں علی الاعلان گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے

لائق نہیں، وہ یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر نیز آپ کے آل واصحاب پر رحمت، سلامتی اور برکات نازل فرمائے اور اس خوش نصیبی میں ان سب لوگوں کو شریک فرمائے جو قیامت تک آپ کے پیروکار بنیں اور آپ کی سنت مطہرہ کو اختیار کریں۔

چونکہ صحابہ و تابعین کے نزدیک نبی ﷺ کے اہل بیت کے مقام ومرتبہ کی وضاحت ایک اہم موضوع ہے اس لیے آج سے سولہ سال پہلے میں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے لیکچر ہال میں اس موضوع پر ایک لیکچر دیا تھا۔ عام لوگوں کے استفادے کے لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ مرتب کر دیا جائے، چنانچہ میں نے اسے مرتب کیا اور اس کا نام ''اہل سنت کے نزدیک اہل بیت کا مقام و مرتبہ'' رکھا، اس رسالہ میں دس فصلیں ہیں:

پہلی فصل : اہل بیت سے مراد کون ہیں؟

دوسری فصل : اہل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اجمالی عقیدہ

تیسری فصل: قرآنِ مجید میں اہل بیت کے فضائل

مؤلف

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

پہلی فصل:

اہل بیت سے مراد کون ہیں؟

نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کے وہ رشتے دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات اور اولاد نیز جناب عبدالمطلب کی نسل میں سے ہر مسلمان مرد و عورت جنہیں بنوہاشم کہا جاتا ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

«وُلِدَ لِهَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ: شَيْبَةُ، وَهُوَ عَبْدُالْمُطَّلِبِ، وَفِيهِ الْعَمُودُ وَالشَّرَفُ، وَلَمْ يَبْقَ لِهَاشِمٍ عَقِبٌ إِلاَّ مِنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَطْ» (جمهرة أنساب العرب، ص:١٤)

"ہاشم بن عبد مناف کے گھر شیبہ پیدا ہوئے جنہیں عبدالمطلب کہا جانے لگا۔ ہاشم کے شرف و مرتبہ کے وہی وارث ہوئے اور ان کے علاوہ کسی اور بیٹے سے ہاشم کی نسل نہیں چلی۔"

اور جناب عبدالمطلب کی نسل کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "جمهرة أنساب العرب" کے صفحہ: ۱۴، ۱۵، ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التبيين في أنساب القرشيين" صفحہ: ۷۶، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی "منهاج السنه" ۷/ ۳۰۴، ۳۰۵ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری: ۷/ ۷۸، ۷۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

اس بات کی دلیل کہ "آپ کے چچاؤں کی نسل بھی اہل بیت میں داخل ہے" صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہوئے کہ آپ ہمیں صدقہ کی وصولی پر مقرر فرمادیں تاکہ ہم اس کام کی تنخواہ سے اپنی شادی کا سامان کرسکیں۔ آپ نے ہمیں فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَنْبَغِي لآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ» (صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة، ح: ١٠٧٢)

"آل محمد ﷺ کے لیے صدقہ کی آمدنی حلال نہیں، یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہے۔"

پھر آپ نے خُمس کے مال سے ان کی شادی کرنے کا حکم دیا۔

امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما جیسے بعض اہل علم نے صدقہ کی حرمت کے مسئلہ میں بنو ہاشم کے ساتھ بنو مطلب بن عبد مناف کو بھی شامل کیا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خمس کے خمس سے ان کو بھی حصہ دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: "نبی کریم ﷺ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو خمس سے حصہ دیا لیکن عبد شمس اور نوفل کی اولاد کو کچھ نہ دیا۔ (حالانکہ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل آپس میں بھائی ہیں) اور وجہ یہ بتائی کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔"(۱)

آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اہل بیت میں سے ہونے کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلاَةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ

(۱) صحیح البخاری، فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی أن الخمس للإمام...... حدیث:۳۱۴۰۔

وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ الاحزاب: ۳۳، ۳۴۔

"(اے نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں قرار (عزت و وقار) سے رہو اور دورِ جاہلیت کی طرح اظہارِ زینت نہ کرو، بلکہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت! اللہ گندی چیزوں کو تم سے دور رکھنا چاہتا ہے اور تمہیں اچھی طرح پاک صاف رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے تم گھروں میں رہ کر اللہ کی نازل کردہ آیات اور (رسول کی بیان کردہ) حکمت کو یاد کرتی رہو۔ بلاشبہ اللہ نہایت باریک بین اور انتہائی خبردار ہے۔"

یہ آیت مبارکہ قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں کیونکہ اس آیت سے ماقبل اور مابعد کی آیات میں انہی سے خطاب ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث کو اس کے منافی خیال نہ کیا جائے جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعَرٍ أَسْوَدَ، فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ قَالَ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ، ح : ٢٤٢٤)

"نبی کریم ﷺ ایک دن تشریف فرما ہوئے، آپ پر سیاہ بالوں کی بنی ہوئی منقش چادر تھی۔ اتنے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ نے ان کو چادر میں داخل فرمالیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے تو وہ بھی ساتھ داخل ہو گئے، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں تو آپ نے انہیں بھی چادر میں داخل فرمالیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پہنچ گئے تو آپ نے انہیں بھی داخل فرمالیا۔ پھر فرمایا: "اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے ہر بری چیز دور فرما کر تمہیں خوب پاک صاف کر دیں۔"

کیونکہ اس آیت میں صراحتاً خطاب تو ازواج مطہرات کو ہے لہٰذا وہ تو قطعاً

داخل ہیں، البتہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ اہل بیت میں داخل ہیں، اس حدیث میں ان چار حضرات کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے رشتہ دار اہل بیت میں داخل نہیں، بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں آپ کے گھرے رشتہ دار ہیں۔ جس طرح یہ آیت ازواج مطہرات کے اہل بیت میں داخل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ حدیث حضرت علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کے اہل بیت میں داخل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس کی ایک نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ﴾
التوبہ: ۱۰۸۔

”وہ مسجد جس کی بنیاد ابتدا ہی سے تقویٰ اور خلوص پر رکھی گئی۔“

یہ فرمان الٰہی مسجد قبا کے بارے میں ہے۔ جبکہ صحیح مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔[1] (گویا دونوں مسجدیں

(۱) صحیح مسلم، الحج، باب بيان المسجد الذي أسس على التقوى هو مسجد النبي ﷺ بالمدينة، حديث: ۱۳۹۸۔

اس فرمان کا مصداق ہیں۔ کیونکہ دونوں کی بنیاد نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی)۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال اپنے رسالہ "فضل أهل البيت وحقوقهم" میں ذکر فرمائی ہے۔[1] آپ کی ازواج مطہرات لفظ "آل" کے تحت داخل ہیں کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَحِلُّ لآلِ مُحَمَّدٍ»(مسند أحمد : ۲۷۹/۲)

"صدقہ (وزکوٰۃ) آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔"

اس لیے ان کو خمس سے حصہ دیا جاتا تھا۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے: "حضرت خالد بن سعید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر صدقہ کی ایک گائے بھیج دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے واپس لوٹایا اور فرمایا:

«إِنَّا آلَ مُحَمَّدٍ ﷺ لاَ تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةَ»(المصنف لابن أبي شيبة، باب لا تحل الصدقة على بني هاشم، ح: ۱۰۷۰۸)

"ہم آل محمد ﷺ کے لیے صدقہ حلال نہیں۔"

---

(۱) فضل أهل البيت وحقوقهم، ص:۲۰،۲۱۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جلاء الأفهام" میں اس مسلک کے قائلین کے دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیویاں بھی آل میں داخل ہوتی ہیں خصوصاً ازواج مطہرات آل محمد ﷺ میں داخل ہیں، کیونکہ زوجیت والا رشتہ بھی تو نسب جیسا ہے۔ ازواج مطہرات کا رشتہ نبی کریم ﷺ سے منقطع نہیں ہوا تبھی تو وہ آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد بھی دوسرے مردوں پر حرام ہیں۔ وہ دنیا میں بھی آپ کی بیویاں ہیں اور آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔ لہٰذا ان کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ رشتہ نسب کی طرح قائم ودائم ہے۔ آپ نے درود میں ان کو صراحتاً شامل فرمایا ہے، اس لیے صحیح بات یہی ہے کہ صدقہ ازواج مطہرات پر بھی حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے اور اللہ نے آپ کی ذات اقدس اور آپ کی آل کو انسانوں کی اس میل کچیل سے بچا کر رکھا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ اگر ازواج مطہرات آپ کے مندرجہ ذیل فرامین میں داخل ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا»(صحيح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف والقناعة، ح: ١٠٥٥، ومسند أحمد: ٢٣٢/٢)

"اے اللہ! آل محمد ﷺ کو صرف ضرورت کی حد تک رزق دے۔"

اور قربانی کرتے وقت آپ ﷺ فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ»(المعجم الكبير للطبراني، ح : ٣٠٥٩)

"اے اللہ! یہ قربانی محمد اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«مَا شَبِعَ آلُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ» (صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا حلف أن لا يأتدم فأكل تمرا....ح:٦٦٨٧، وصحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن....، ح: ٢٩٧٠)

"آل رسول اللہ ﷺ نے کبھی گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔"

اسی طرح اس درود میں بھی ازواج مطہرات شامل ہیں:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ"

"اے اللہ! رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آل محمد پر"

تو کیا وجہ ہے کہ وہ آپ کے اس فرمان میں داخل نہیں:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَحِلُّ لآلِ مُحَمَّدٍ» (مسند أحمد: ۲/۲۷۹)

"صدقہ آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔"

حالانکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے۔ ازواج مطہرات تو اس سے بچانے اور دور رکھنے کی زیادہ حقدار تھیں۔

اگر کہا جائے کہ اگر صدقہ ازواجِ مطہرات پر حرام ہوتا تو ان کے غلاموں اور لونڈیوں پر بھی حرام ہونا چاہیے تھا جس طرح بنو ہاشم پر حرام ہوا تو ان کے غلاموں اور لونڈیوں پر بھی حرام ہو گیا، حالانکہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو صدقے کا گوشت بھیجا گیا اور انہوں نے کھایا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع نہیں کیا، جبکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔

درحقیقت اسی بات سے ان لوگوں کو اشتباہ ہوا جنہوں نے ازواج مطہرات کے لیے صدقے کا استعمال جائز کہا ہے۔ اس اشتباہ کا جواب یہ ہے کہ ازواج مطہرات پر صدقے کی حرمت ذاتی نہیں، بلکہ نبی اکرم ﷺ کی وجہ سے ہے

ورنہ آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے ان پر صدقہ حرام نہیں تھا، لہٰذا اس حرمت میں وہ فرع ہیں اور غلاموں پر حرمت آقا پر حرمت کی فرع ہوتی ہے، اس لئے یہ حرمت ان کے غلاموں پر لاگو نہ ہوگی کیونکہ وہ فرع کی فرع ہیں، جبکہ بنو ہاشم پر صدقے کی حرمت ذاتی ہے اس لیے یہ ان کے غلاموں پر بھی لاگو ہوگی۔

اس مسلک کے ماننے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَانِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ○ يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ○وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾ الاحزاب:۳۰ تا ۳۴۔

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو واضح گناہ کا ارتکاب کرے گی اسے دو گنا عذاب دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ کے لئے معمولی ہے۔ البتہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی اور نیک کام کرے گی، اسے ثواب بھی دگنا دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم متقی ہو تو (نامحرم لوگوں سے باتیں کرتے وقت) نرم آواز سے بات نہ کرو ورنہ بیمار دل والا طمع کرنے لگے گا۔ البتہ بات اچھی کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور گزشتہ جاہلیت کی طرح اظہار زینت نہ کرو۔ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتے ہیں کہ تم سے ہر قسم کی نامناسب چیز دور کر دیں اور تم کو اچھی طرح پاک صاف کر دیں۔ اور جو قرآنی آیات اور حکمتیں تمہارے گھروں میں

پڑھی جاتی ہیں ان کی طرف دھیان رکھا کرو۔ بیشک اللہ نہایت باریک بیں اور انتہائی خبردار ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ازواجِ مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں، کیونکہ اہل بیت والی آیت سے ماقبل آیات اور بعد والی آیت میں خطاب ازواج مطہرات سے ہے۔لہٰذا ان کو اہل بیت سے نکالنا ممکن نہیں۔ واللہ اعلم ''(۱)

بنوہاشم کے غلاموں پر صدقے کی حرمت کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے یوں بیان فرمایا ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلاً عَلَى الصَّدَقَةِ مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ، فَقَالَ لأَبِي رَافِعٍ: اصْحَبْنِي فَإِنَّكَ تُصِيبُ مِنْهَا، قَالَ: حَتَّىٰ آتِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَأَسْأَلَهُ، فَأَتَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَإِنَّا لاَ تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ)) (سنن أبي داود، الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، ح:١٦٥٠، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في كراهية الصدقة للنبي ﷺ.....ح: ٦٥٧)

(۱) جلاء الافہام ص:۳۳۱ تا ۳۳۳۔

”نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو بنو مخزوم کے صدقات جمع کرنے کے لیے مقرر فرمایا، وہ شخص حضرت ابو رافع سے کہنے لگا: تم بھی میرے ساتھ چلو تمہیں بھی کچھ حصہ ملے گا، ابو رافع نے کہا: میں پہلے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لوں۔ وہ آپ کے پاس آئے اور پوچھا تو آپ نے فرمایا: ”کسی قوم کا غلام بھی انہی میں سے شمار ہوتا ہے، اور ہمارے لیے صدقہ جائز نہیں۔“

دوسری فصل:

اہل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اجمالی عقیدہ

تمام اعتقادی مسائل میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ افراط و تفریط سے پاک ہوتا ہے۔ نہ اس میں کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ اہل بیت کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ صاف ستھرا ہے۔ وہ جناب عبدالمطلب کی نسل میں سے ہر مسلمان مرد و عورت سے محبت رکھتے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات سے بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ اہل سنت تمام اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں۔ سب کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو اسی مرتبہ پر رکھتے ہیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہیں، ذاتی جذبات اور تحفظات کی طرف دھیان نہیں دیتے، بلکہ وہ اس شخص کی فضیلت کا اعتراف کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نسب کی فضیلت کے ساتھ ساتھ ایمان کی فضیلت سے بھی بہرہ ور فرمایا ہے، لہٰذا اہل بیت میں سے جس شخص کو رسول اللہ

ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے وہ اس سے اس کے ایمان و تقویٰ کی بنا پر، اس کے صحابی ہونے کی بنا پر اور نبی ﷺ سے قرابت کی بنا پر محبت کرتے ہیں۔ اور اہل بیت میں سے جس شخص کو صحبت کا شرف حاصل نہیں وہ اس سے اس کے ایمان و تقویٰ کی بنا پر اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت کی بنا پر محبت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نسب ایمان کے تابع ہے اور اہل بیت میں سے جسے اللہ تعالیٰ نے دونوں شرف عطا فرمائے ہیں اسے دونوں فضیلتیں حاصل ہیں۔ لیکن جسے ایمان کی توفیق نہ ملی اسے نسب کی فضیلت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ الحجرات: ۱۳۔

"تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا ہے، جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (صحيح مسلم، الذكر والدعا، باب فضل الإجماع على تلاوة القرآن.....ح: ٢٦٩٩)

"جس شخص کے عمل سست ہوں اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔"

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "جامع العلوم والحکم" میں اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ درحقیقت عمل ہی انسان کے درجات آخرت میں بلند کرتا ہے۔" جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا﴾ الانعام: ۱۳۲۔

"ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے۔"

لہٰذا جس شخص کے اعمال اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند درجات تک پہنچانے سے قاصر ہوں اس کا نسب اسے ان درجات تک نہیں پہنچا سکے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزا اعمال کے مطابق رکھی ہے نہ کہ نسب کے مطابق، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ المؤمنون: ۱۰۱۔

"جب صور پھونکا جائے گا تو لوگوں میں نہ کوئی رشتہ باقی رہے گا نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ مانگیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نیک اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت حاصل کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ٥ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ آل عمران: ۱۳۳، ۱۳۴۔

"اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھو جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے۔ وہ جنت ان نیک لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی اور تنگی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے غصے کو پی جاتے ہیں۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ٥ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ٥ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لاَ يُشْرِكُونَ ٥ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ٥ أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي

الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ المؤمنون:۵۷ تا ۶۱۔

"بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کے ڈر سے ہمیشہ سہمے رہتے ہیں اور اپنے رب کی آیات پر مضبوط ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب کریم کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے اور بہترین اعمال کرنے کے باوجود دل میں ڈرتے رہتے ہیں کہ آخر انہیں اپنے رب کے ہاں حاضر ہونا ہے، یہ لوگ نیکیوں میں لگے رہتے ہیں اور سب سے آگے نکل جاتے ہیں۔"

پھر ابن رجب نے بہت سی ایسی آیات واحادیث نقل فرمائی ہیں جو نیک اعمال کی طرف ابھارتی ہیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی تقویٰ اور نیک عمل ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ پھر آخر میں انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی صحیحین میں مروی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«أَلاَ إِنَّ آلَ أَبِي يعني فُلاَنًا، لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ، وَإِنَّمَا وَلِيِّيَ اللّٰهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ» (صحيح البخاري، الأدب، باب تبل الرحم ببلالها، ح: ۵۹۹۰، وصحيح مسلم، الإيمان، باب موالاة المؤمنين ومقاطعة غيرهم ...ح: ۲۱۵ واللفظ له)

"فلاں قبیلے کے لوگ میرے ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی تو اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن ہیں۔"

اس فرمان نبوی سے آپ ﷺ کا اشارہ اس جانب ہے کہ آپ کی محبت بھی قریبی نسب وخاندان کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عمل صالح ہی کی بنا پر حاصل ہوسکتی ہے۔ جو شخص ایمان وعمل میں کامل ہے وہ آپ کا زیادہ قریبی ہے خواہ اس کا نسب آپ سے ملتا ہو یا نہ ملتا ہو۔ آخر میں حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

لَعَمْرُكَ مَا الإِنْسَانُ إِلاَّ بِدِينِهِ
فَلاَ تَتْرُكِ التَّقْوَى اتِّكَالاً عَلَى النَّسَبِ

لَقَدْ رَفَعَ الإِسْلاَمُ سَلْمَانَ فَارِسٍ
وَقَدْ وَضَعَ الشِّرْكُ النَّسِيبَ أَبَا لَهَبٍ

"اللہ تعالیٰ تیری عمر دراز کرے انسان کا مرتبہ اس کے دین سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا تو نسب وخاندان پر اعتماد کرتے ہوئے نیکی وتقویٰ سے غافل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا درجہ بلند کردیا مگر شرک کی بنا پر آپ کا ہم نسب ابولہب ذلیل ہوگیا۔"(۱)

---

(۱) جامع العلوم والحکم: ۲/۳۰۸۔

تیسری فصل:

قرآن مجید میں اہل بیت کے فضائل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلاً ○ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ يَانِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ○ يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ

فَلاَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَعْرُوفًا ٥ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلاَ تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلاَةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ٥ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا﴾

الاحزاب: ۳۰ تا ۳۴۔

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھے طریقے سے فارغ کر دوں۔ لیکن اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور اُخروی زندگی کی طالب ہو تو (پھر مجھ سے کسی دنیوی چیز کا مطالبہ نہ کرنا کیونکہ) اللہ نے تم جیسی پاکباز عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو واضح گناہ کا ارتکاب کرے گی اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ کے لئے معمولی

ہے۔ البتہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں بردار رہے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے ثواب بھی دگنا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم متقی ہو تو (نامحرم لوگوں سے باتیں کرتے وقت) نرم آواز سے بات نہ کرو ورنہ بیمار دل والا طمع کرنے لگے گا۔ البتہ بات اچھی کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور گزشتہ جاہلیت کی طرح اظہار زینت نہ کرو۔ اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتے ہیں کہ تم سے ہر قسم کی نامناسب چیز دور کر دیں اور تم کو اچھی طرح پاک صاف کر دیں۔ اور جو قرآنی آیات اور حکمتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں ان کی طرف دھیان رکھا کرو۔ بلاشبہ اللہ بہت باریک بیں اور خبردار ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ

الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ الاحزاب: ۳۳۔

اہل بیت کی فضیلت پر بخوبی دلالت کر رہا ہے۔اور اہل بیت سے مراد آپ
ں وہی رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ان میں آپ کی ازواج مطہرات
ور اولاد خصوصی طور پر شامل ہیں۔ جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

نیز یہ آیات ازواج مطہرات کے کچھ دوسرے فضائل بھی ظاہر کرتی ہیں۔
مثلاً جب ان کو دنیا کی زیب و زینت اور اللہ و رسول اور آخرت میں سے ایک
و پسند کے لئے کہا گیا تو انہوں نے بیک زبان اللہ و رسول اور آخرت کو پسند
یا۔(اور پھر کبھی جناب رسول اللہ ﷺ سے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگی) اللہ تعالیٰ
ن سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔

ازواج مطہرات کی فضیلت پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی بخوبی دلالت کرتا ہے:

﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ الاحزاب: ۶۔

نبی کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔

اس آیت کی رُو سے انہیں تمام مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔البتہ
للہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿قُلْ لاَ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ الشوریٰ: ۲۳۔

اے نبی کہہ دیجئے! میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا علاوہ اس کے تم رشتہ داری کا لحاظ رکھو۔

اس سے اہل بیت مراد نہیں، بلکہ اس سے قریش کے قبائل میں آپ کی رشتہ داری مراد ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی محمد بن بشار نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا عبدالملک بن میسرہ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے طاوس سے سنا کہہ رہے تھے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ کا مطلب پوچھا گیا: ان کے جواب دینے سے قبل حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: "اس سے حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت مراد ہیں۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«عَجِلْتَ، إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ

إِلاَّ كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ، فَقَالَ: إِلاَّ أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب قوله ﴿إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ ح:٤٨١٨)

"تم نے جلد بازی سے کام لیا، اس آیت کا مطلب یہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا جس سے نبی ﷺ کی رشتہ داری نہ ہو۔ مقصود یہ ہے کہ تم (ایمان نہیں لاتے تو کم از کم) اس رشتہ داری کا تو لحاظ رکھو جو میرے تمہارے درمیان ہے۔"

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی اے نبی کریم ﷺ ان مشرکین مکہ سے کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ اور نصیحت کے صلے میں تم سے مال کا طلب گار نہیں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم کم از کم مجھے تکلیف نہ دو اور مجھے تبلیغ رسالت کا کام کھلے بندوں کرنے دو۔ اگر تم میری مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم باہمی رشتہ داری کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو۔"

اس کے بعد امام ابن کثیر نے ابن عباس کا مذکورہ بالا اثر نقل کیا ہے۔

بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت میں وارد لفظ ﴿الْقُرْبَى﴾ کا جو یہ

مطلب بیان کیا ہے کہ اس سے صرف فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کی ذریت مراد ہے، تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی تو مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد ہوئی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس آیت مبارکہ کا نزول مدینہ منورہ میں ماننا علمی طور پر بعید از عقل ہے، کیونکہ یہ آیت قطعاً مکی ہے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اولاد کا تصور تک نہیں تھا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی جنگ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی۔ اس آیت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ترجمانِ قرآن اور امت کے نابغہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔"

اس کے بعد ابن کثیر نے اہل بیت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی بعض احادیث اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مروی بعض آثار بھی ذکر کیے ہیں۔

چوتھی فصل:

سنت مطہرہ میں اہل بیت کے فضائل

صحیح مسلم میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جنابِ رسول اللہ ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قَرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ» (صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ.....، ح: ٢٢٧٦)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنوکنانہ کو منتخب فرمایا، پھر بنوکنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنو ہاشم کو ممتاز فرمایا اور بنو ہاشم میں سے مجھے پسند فرمایا۔"

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِنْ شَعَرٍ أَسْوَدَ، فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ قَالَ: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أهل بيت النبي ﷺ، ح: ٢٤٢٤)

"نبی کریم ﷺ ایک دن تشریف فرما ہوئے آپ پر کالے بالوں سے بنی ہوئی ایک منقش چادر تھی۔ اتنے میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آگئے تو آپ نے ان کو چادر میں داخل فرمالیا، کچھ دیر بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی رونق افروز ہوگئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چادر میں داخل ہوگئے۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی پہنچ گئیں آپ نے ان کو بھی داخل فرمالیا۔ آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے آپ نے انہیں بھی داخل فرمالیا، پھر فرمایا: اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے پلید چیزوں کو دور کردیں اور تمہیں خوب

پاک صاف کر دیں۔"

صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری:

﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ﴾ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِي)) (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ح: ۲٤۰٤)

"(اے نبی کریم!) فرما دیجیے: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ...... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یزید بن حیّان سے باسند بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"میں حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب ہم ان کے حضور بیٹھے تو حصین کہنے لگے: جناب زید! آپ کو بہت فضیلت حاصل ہے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے، آپ کی باتوں کو سنا ہے، آپ کے ساتھ ہو کر غزوہ کیا ہے، آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ غرض! آپ کو بہت سے فضائل حاصل ہوئے ہیں، تو جناب محترم! ہمیں چند باتیں بیان فرمائیں جو آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہوں۔"

وہ فرمانے لگے "بھتیجے! اللہ کی قسم! میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ آپ سے ملاقات کو عرصہ دراز ہو گیا ہے۔ ہوسکتا ہے آپ ﷺ سے سنی ہوئی بعض باتیں بھول بھی گئی ہوں۔ لہٰذا میں جو کچھ تمہیں بیان کروں اسے ہاتھوں ہاتھ لینا اور جو بیان نہ کرسکوں اس میں مجھے معذور سمجھنا۔" پھر کہنے لگے: "ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان غدیر خم کے مقام پر خطاب فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کچھ وعظ و نصیحت کی۔ پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ: أَلاَ أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ، فَحَثَّ

عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي)) (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل علي رضي الله عنه، ح : ٢٤٠٨)

”اے لوگو! میں ایک انسان ہوں، بہت ممکن ہے کہ میرے رب تعالیٰ کی طرف سے بلانے والا میرے پاس آجائے اور میں لبیک کہہ دوں۔ میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔“ پھر آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کی طرف رغبت دلائی۔ پھر آپ نے فرمایا: ”دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔“ حصین نے ان سے پوچھا: ”جناب زید! نبی کریم

ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہل بیت سے نہیں؟ وہ کہنے لگے "آپ کی بیویاں آپ کے اہل بیت تو ہیں مگر اصل اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔" حصین نے کہا: "وہ کون ہیں؟" فرمایا: "آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس ہیں۔" حصین نے پوچھا: "ان سب پر صدقہ حرام ہے؟" فرمایا: "ہاں۔"

اور ایک روایت میں یوں ہے:

"ہم نے کہا: نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں؟" فرمایا: "نہیں۔ اللہ کی قسم! عورت تو خاوند کے پاس کتنی دیر بھی رہے جب وہ اسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے والد کے ہاں چلی جاتی ہے۔ اہل بیت تو آپ کا خاندان ہے یعنی وہ رشتہ دار جن پر صدقہ حرام ہے۔"

یہاں چند باتوں پر تنبیہ ضروری ہے:

(۱) چادر اور مباہلہ والی روایات میں حضرت علی، سیدہ فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کا ذکر اس بات کی دلیل نہیں کہ صرف وہی اہل بیت ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ یہ حضرات آپ کے خصوصی اہل بیت میں شامل ہیں

اور وہ اس اعزاز کے بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔ یہ بات پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے۔

(۲) حضرت زید رضی اللہ عنہ کا آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس کو خصوصاً ذکر کرنا اس بات کا متقاضی نہیں کہ صرف انہی پر صدقہ حرام ہے۔ بلکہ صدقہ تو جناب عبدالمطلب کی نسل میں سے ہر مسلمان مرد وعورت پر حرام ہے، جیسا کہ پیچھے صحیح مسلم میں حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر ہو چکی ہے، جس میں صراحت ہے کہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی اس حکم میں داخل ہے۔

(۳) قبل ازیں کتاب وسنت سے دلائل ذکر ہو چکے ہیں کہ آپ کی ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں اور ان پر بھی صدقہ حرام ہے۔ رہا حضرت زید سے منقول پہلی روایت میں ازواج مطہرات کا اہل بیت سے ہونا اور دوسری روایت میں اس کی نفی کرنا، تو اس سلسلہ میں پہلی ہی روایت معتبر ہے۔ باقی رہی دوسری روایت جس میں اس بات کی نفی ہے، وہ غیر معتبر ہے اور اس میں جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ عام بیویوں کے بارے میں تو درست ہے مگر آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں صحیح نہیں، کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا آپ سے تعلق نسبی تعلق جیسا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ دنیا میں بھی

آپ کی بیویاں تھیں اور آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی وضاحت ذکر ہو چکی ہے۔

(۴) اہل سنت والجماعت ہی وہ سعادت مند لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں مذکور وصیت کو کما حقہ تسلیم کیا ہے، کیونکہ وہ سب اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، ان سب سے عقیدت رکھتے ہیں اور عدل وانصاف ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں ان کے صحیح مراتب پر فائز کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے مخالفین (روافض) کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے: "روافض تو اس وصیت سے بہت زیادہ دور ہیں، وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی نسل کے دشمن ہیں۔ بلکہ وہ اکثر اہل بیت کے خلاف ہیں اور ان کے خلاف کافروں تک کی مدد کرتے رہے ہیں۔"(۱)

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" میں ایک حدیث بیان کی ہے:

«كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلاَّ سَبَبِي

---

(۱) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۴/۴۱۹۔

وَنَسَبِي» (المعجم الكبير للطبراني، ح : ٢٦٣٣-٢٦٣٥ وسلسلة الأحاديث الصحيحة، ح : ٢٠٣٦)

"قیامت کے دن ہر واسطہ اور نسبی تعلق ختم ہو جائے گا البتہ میرا واسطہ اور نسبی تعلق قائم رہے گا۔"

اور اسے حضرات ابن عباس، عمر، ابن عمر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز اس حدیث کی تخریج کے بعد یوں تبصرہ فرمایا ہے: "مختصر بات یہ ہے کہ یہ حدیث کثرتِ اسانید کی بنا پر صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔"

بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اسی حدیث کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لخت جگر تھیں، سے نکاح کی رغبت پیدا ہوئی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں عبدالرزاق سے، انہوں نے معمر سے، انہوں نے ابن طاوس سے، انہوں نے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے اور انہوں نے ایک صحابی سے یہ روایت بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ یوں درود پڑھا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَعَلى أَزْوَاجِهِ وَذُرِيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آل إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَعَلى أَزْوَاجِهِ وَذُرِيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ» (مسند أحمد: ٥/ ٣٧٤)

"اے اللہ! (حضرت) محمد، آپ کے اہل بیت، آپ کی بیویوں اور آپ کی اولاد پر خصوصی رحمت نازل فرما، جیسی کہ تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی، بلاشبہ تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔ نیز محمد، آپ کے اہل بیت، آپ کی بیویوں اور آپ کی اولاد پر برکت نازل فرما، جیسی تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی، بلاشبہ تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔"

حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے فرماتے ہیں: "میرے والد محترم بھی ایسے ہی درود پڑھا کرتے تھے۔" اس حدیث کے تمام راوی (سوائے صحابی کے) کتب ستہ کے راوی ہیں۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس روایت کو امام احمد اور امام طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔"(۱)

درود میں ازواج مطہرات اور اولاد کا ذکر صحیحین میں بھی حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل بیت ازواج مطہرات اور اولاد میں محدود ہیں۔ بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعاً اہل بیت ہیں۔ باقی رہا اس حدیث میں ازواج و ذریت کا اہل بیت پر عطف، تو یہ عام پر خاص کا عطف ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت، ازواج اور ذریت والی حدیث -جس کی سند میں مقال ہے- ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"آپ نے اس حدیث میں ازواج، ذریت اور اہل بیت کو اکٹھا ذکر کر کے یہ صراحت فرما دی کہ ان کا اہل بیت سے ہونا قطعی ہے اور وہ اہل بیت سے خارج نہیں، بلکہ وہ اس فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ باقی رہا ان کا اہل بیت پر عطف تو یہ ان کی فضیلت و شرف کا خصوصی اظہار ہے، کیونکہ یہ کلام کا بلیغ انداز ہے کہ ایک نوع کے چند افراد کا خصوصی ذکر بھی کر دیا ہے تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ افراد اس نوع میں بدرجہ اتم داخل ہیں۔ خاص کا عام پر

(۱) صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم، ص:۱۶۵۔

عطف یا عام کا خاص پر عطف مشہور طریقہ ہے۔"[1]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لاَ تَنْبَغِي لآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ» (صحيح مسلم من حديث عبدالمطلب بن ربيعة، الزكاة، باب ترك آل النبي على الصدقة، ح: ١٠٧٢)

"صدقہ آل محمد ﷺ کے لیے مناسب نہیں، یہ تو لوگوں کی میل کچیل ہے۔"

(۱) جلاء الأفهام، ص:۳۳۸۔

پانچویں فصل:

صحابہ اور تابعین کے نزدیک اہل بیت کا مقام و مرتبہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«والذي نفسي بيده لقرابة رسول اللهِ ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي» (صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ، ح: ٣٧١٢)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جناب رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں سے حسن سلوک میرے نزدیک اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ محبوب ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے:

«اُرْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ» (صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ...، ح : ٣٧١٣)

"حضرت محمد ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں آپ کا لحاظ رکھو۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "آپ لوگوں سے خطاب فرمارہے ہیں اور انہیں نصیحت فرمارہے ہیں۔ مراقبہ کا معنی ہے کہ کسی چیز کا خیال رکھنا، پابندی کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے اہل بیت کا احترام کرو، انہیں تکلیف نہ دو اور ان سے بدسلوکی نہ کرو۔"

صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«صَلَّى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْعَصْرَ، ثُمَّ خَرَجَ يَمْشِي، فَرَأَى الْحَسَنَ يَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَحَمَلَهُ عَلَى عَاتِقِهِ، وَقَالَ: بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ لَا

شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ وَعَلِيٌّ يَضْحَكُ» (صحيح البخاري، المناقب باب صفة النبي ﷺ...، ح : ۳۵۴۲)

"ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر پیدل چل پڑے۔ راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے: "میرا باپ قربان! یہ نبی کریم ﷺ سے مشابہت رکھتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں، حضرت علی یہ سنتے ہوئے ہنس رہے تھے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "بِاَبِی" سے مراد یہ ہے کہ میرا باپ اس پر فدا ہو جائے۔ اس حدیث سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، نیز اہل بیت سے آپ کی شدید محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یوں بیان فرماتے ہیں:

«أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا

قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا، قَالَ: فَيُسْقَوْنَ» (صحيح البخاري، الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ح: ۱۰۱۰، ۳۷۱۰)

جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے اور کہتے: ”اے اللہ! ہم نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ان کے ذریعے سے بارش کی دعا کروایا کرتے تھے، تو تو ہم پر بارش برسادیا کرتا تھا۔ اب ہم نبی کریم ﷺ کے چچا کو واسطہ بنا رہے ہیں، ہم پر بارش برسا۔ راوی حدیث بیان فرماتے ہیں اور پھر واقعتاً بارش ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا در اصل ان سے دعا کروانا ہے۔ جیسا کہ دوسری روایات میں صراحتاً ذکر ہے، جنہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کتاب الاستسقاء میں اس حدیث کی شرح کے دوران لکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دعا کے لیے حضرت

عباس رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمانا رسول اللہ ﷺ سے ان کی رشتے داری کی وجہ سے تھا۔ تبھی تو دعا میں ان کا نام لینے کی بجائے ''نبی کریم کا چچا'' کہا۔ اور یہ بات کسے معلوم نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہر صورت افضل تھے، مگر اس کے باوجود ان سے دعا نہیں کروائی، کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رشتہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب تھے، اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اگر جناب رسول اللہ ﷺ کی وراثت تقسیم ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوتے، کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا أَبْقَتِ الْفَرَائِضُ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ» (صحيح البخاري، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح : ٦٧٣٢، وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها.....، ح : ١٦١٥)

''وراثت سب سے پہلے ان لوگوں کو دو جن کے حصے مقرر ہیں۔ پھر جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کو دے دو۔''

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ

نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ» (صحيح مسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، ح: ٩٨٣، ومسند أحمد: ٣٢٣/٢، واللفظ له)

”تمہیں معلوم نہیں کہ چچا باپ کے مرتبے میں ہوتا ہے۔“

تفسیر ابن کثیر میں سورۂ شوریٰ کی آیات کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«وَاللّٰهِ لإِسْلَامُكَ يَوْمَ أَسْلَمْتَ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ إِسْلَامِ الْخَطَّابِ لَوْ أَسْلَمَ، لأَنَّ إِسْلَامَكَ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ إِسْلَامِ الْخَطَّابِ» (تفسير ابن كثير، سورة الشورى، آيت:٢٣، وطبقات ابن سعد: ٢٢/٤، ٣٠)

”اللہ کی قسم! آپ کے اسلام لانے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرے والد خطاب مسلمان ہو جاتے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی، کیونکہ

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک آپ کا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ عزیز تھا۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں مذکور ہے:

«إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا وَضَعَ دِيوَانَ الْعَطَاءِ كَتَبَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ أَنْسَابِهِمْ، فَبَدَأَ بِأَقْرَبِهِمْ نَسَبًا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا انْقَضَتِ الْعَرَبُ ذَكَرَ الْعَجَمَ، هَكَذَا كَانَ الدِّيوَانُ عَلَى عَهْدِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ، وَسَائِرِ الْخُلَفَاءِ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَوَلَدِ الْعَبَّاسِ إِلَى أَنْ تَغَيَّرَ الأَمْرُ بَعْدَ ذَلِكَ» (اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم: ١/٤٤٦)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب وظائف کا رجسٹر تیار کیا تو لوگوں کے نام ان کے نسب کے لحاظ سے لکھے۔ سب سے پہلے ان حضرات کے نام لکھے جو رسول اللہ ﷺ سے قریبی رشتہ داری رکھتے تھے۔

جب عربوں کے نام لکھے جا چکے تو پھر عجمیوں کے نام لکھے۔ خلفائے راشدین حتی کہ خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس کے دور میں بھی یہی ترتیب برقرار رہی حتی کہ یہ نظام ہی تلپٹ ہو گیا۔"

نیز فرماتے ہیں:

«وَانْظُرْ إِلَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِينَ وَضَعَ الدِّيوَانَ، وَقَالُوا لَهُ: يَبْدَأُ أَمِيرُ الْمُؤمِنِينَ بِنَفْسِهِ، فَقَالَ: لَا! وَلَكِنْ ضَعُوا عُمَرَ حَيْثُ وَضَعَهُ اللّٰهُ تَعَالَى، فَبَدَأَ بِأَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ مَنْ يَلِيهِمْ، حَتَّى جَاءَتْ نَوْبَتُهُ فِي بَنِي عَدِيّ، وَهُمْ مُتَأَخِّرُونَ عَنْ أَكْثَرِ بُطُونِ قُرَيْشٍ»

(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الحجيم: ١/٤٥٣)

"ذرا دیکھو کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وظائف کا رجسٹر تیار کیا تو لوگوں نے گزارش کی "امیر المومنین! سب سے پہلے آپ اپنا نام لکھیں" فرمانے لگے "نہیں، عمر کو وہیں رہنے دو جہاں اسے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ پھر سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کے

اہل بیت کے نام لکھے۔ پھر ان قبائل کے جو آپ ﷺ کے قبیلہ سے قریب تھے۔ قریش کے اکثر قبائل لکھے جانے کے بعد آپ کے قبیلے بنو عدی کا نمبر آیا تو آپ نے اپنا نام ان میں لکھا۔"

فضائل اہل بیت میں یہ حدیث گزر چکی ہے:

«كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلاَّ سَبَبِي وَنَسَبِي» (المعجم الكبير للطبراني، ح: ٢٦٣٣-٢٦٣٥، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، ح : ٢٠٣٦)

"قیامت کے دن ہر تعلق اور رشتہ ٹوٹ جائے گا، سوائے میرے رشتے اور تعلق کے۔"

اس حدیث ہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ وہ حضرت ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجیں۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے تمام طرق ذکر کیے ہیں۔ (۱)

یہ بات کسے معلوم نہیں کہ چاروں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سسرالی رشتہ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت ابو بکر و عمر

---

(۱) سلسلة الأحاديث الصحية، ح: ٢٠٣٦۔

رضی اللہ عنہما کی بیٹیوں حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کو آپ کی ازواج مطہرات میں سے ہونے کا شرف حاصل تھا، تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو آپ کے داماد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو دہرے داماد تھے کہ پہلے ان کی شادی آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی اور ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ اسی بنا پر ان کو ذوالنورین کا لقب حاصل ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کی چھوٹی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔

حافظ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں اور حافظ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت لکھا ہے: ''اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کبھی حضرت عمر یا عثمان رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرتے تو حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنی سواری سے اتر پڑتے اور جب تک عباس رضی اللہ عنہ دور نہ چلے جاتے وہ اپنی سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے۔ یہ کیفیت تھی جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا کے احترام کی۔''(۱)

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۹۳۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ:

طبقات ابن سعد میں باسند ذکر ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاطمہ بنت علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہا سے کہا: "جناب علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی! اللہ کی قسم! روئے زمین پر کوئی خاندان تم سے بڑھ کر مجھے پیارا نہیں۔ بلکہ تم مجھے میرے اپنے خاندان سے بھی بڑھ کر محبوب ہو۔"(۱)

حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ:

علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" میں حضرت علی بن حسین (زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات میں لکھا ہے: حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "دنیائے حدیث میں صحیح ترین سند زہری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علی رضی اللہ عنہ ہے۔"(۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "عقیدہ واسطیہ" میں فرماتے ہیں: "اہل سنت والجماعت جناب رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے حقیقی محبت اور عقیدت

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۳۳، ۳۸۷، ۳۸۸۔

(۲) تہذیب التھذیب: ۷/ ۲۶۹۔

رکھتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کی پابندی کرتے ہیں جو آپ نے "غدیر خم" کے مقام پر فرمائی تھی:

"اے لوگو! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔"

نیز جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے بعض قریشیوں کی بنو ہاشم کے ساتھ بدسلوکی اور بیزاری کی شکایت کی تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحِبُّوكُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِي»

"قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے تم سے سچی محبت نہ رکھیں۔"

نیز فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اصْطَفَى مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا،

وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ» (صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل النبي ﷺ ...، ح : ٢٢٧٦)

"اللہ تعالیٰ نے بنواسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔"

اہل سنت والجماعت امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے بھی گہری محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ وہ آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔ خصوصاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو کہ آپ کی اکثر اولاد کی ماں ہیں اور سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور آپ کو بھرپور سہارا مہیا کیا۔ آپ کے نزدیک ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ» (صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب فضل عائشة رضي الله عنها، ح : ٣٧٧٠)

”حضرت عائشہ کو دوسری عورتوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو ثرید کو دوسرے کھانوں پر ہے۔“

اہل سنت والجماعت رافضیوں کے طریقوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں، بلکہ ان کے بارے میں بدزبانی بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت ناصبیوں سے بھی بری ہیں جو اپنے قول وفعل سے اہل بیت کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔(۱)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”وصیۃ کبریٰ“ میں فرماتے ہیں، جیسا کہ مجموع الفتاویٰ میں ہے:

”اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے ہم پر بہت سے حقوق ہیں، جن کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خُمس اور فے میں ان کا حق رکھا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ ان کیلئے خُصوصی رحمت کی دعا کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یوں کہا کرو:

((اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ،

(۱) شرح العقیدۃ الواسطیۃ: ۱۴۸ تا ۱۵۲۔

وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ»

(صحيح البخاري، الدعوات، باب الصلاة على النبي ﷺ ...، ح: ٦٣٥٧)

”اے اللہ! حضرت محمد اور ان کی آل پر خصوصی رحمت فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔ بلاشبہ تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! حضرت محمد اور ان کی آل پر خصوصی برکت نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ بلاشبہ تو تعریف اور بزرگی والا ہے۔“

آل محمد ﷺ سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما اور بہت سے دوسرے علماء نے یہی فرمایا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ» (مسند أحمد: ٢٧٩/٢)

”صدقہ آل محمد کے لیے حرام ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ الاحزاب: ۳۳۔

"بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ اہل بیت سے گندگی دور کر کے انہیں صاف ستھرا کر دے۔" چونکہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے لہٰذا یہ ان پر حرام ہے۔"(۱)

ایک اور جگہ پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت اور عقیدت واجب ہے اور ان کے حق کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔"(۲)

امام ابن قیم رحمہ اللہ:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تاویل فاسد کو قبول کرنے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "تیسرا سبب یہ ہے کہ تاویل کرنے والا اپنی تاویل کی نسبت کسی عظیم الشان اور مشہور عقل مند کی طرف کرے یا نبی کریم ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی عظیم شخصیت کی طرف منسوب کرے یا کسی ایسے امام کا

---

(۱) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۳/ ۴۰۷، ۴۰۸۔

(۲) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۲۸/ ۴۹۱۔

حوالہ دے جسے امت مسلمہ میں اہم مرتبہ حاصل ہو۔ تاکہ اس طریقے سے وہ اپنی بات کو جہلاء کے ہاں قابل قبول بنادے، کیونکہ لوگ عظیم الشان شخصیت کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں حتی کہ اس کی بات کو اللہ اور رسول کی بات پر بھی ترجیح دے دیتے ہیں اور یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یہ ائمہ اور اہل علم ہم سے زیادہ اللہ کو سمجھتے ہیں۔

اسی طریقے سے روافض، باطنیہ، اسماعیلی اور نصیری فرقوں نے اپنے باطل خیالات اور تاویلات کو رائج کرنے کے لیے ان کی نسبت اہل بیت ائمہ کی طرف کر کے اپنا مقصد حاصل کیا، کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ تمام مسلمان اہل بیت کی محبت و تعظیم پر متفق ہیں۔

اس لیے ان گمراہ فرقوں نے اپنی نسبت ان کی طرف کر دی اور ان کی جھوٹی محبت اور احترام کا مظاہرہ کر کے سامعین کو اس دھوکہ میں مبتلا کر دیا کہ یہ لوگ اہل بیت کے بڑے عاشق ہیں۔ اس حیلے سے انہوں نے اپنے باطل نظریات لوگوں میں جاری و ساری کر دیئے۔

اللہ کی قسم! اس طریقے سے کتنی بے دینی، الحاد اور بدعتیں لوگوں میں رائج ہوگئیں، حالانکہ ان کا اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں۔

اگر تم اس بات پر غور کرو گے تو حقیقت یہی معلوم ہوگی کہ اکثر اہل نظریات کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہوتی سوائے لوگوں کے ساتھ حسن ظن کے، انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کی بھی یہی حجت ہوتی تھی کہ یہ ہمارے آباء واجداد اور اسلاف کی مصدقہ باتیں ہیں۔ اسی طرح ہر مقلد، حق کی مخالفت میں یہی رویہ اختیار کرتا ہے۔ یہ کفار کی وراثت ہے جو قیامت تک حق کے مخالفین اختیار کرتے رہیں گے۔"(۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ:

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۂ شوریٰ کی آیت ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ کی صحیح تفسیر بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "قربیٰ" سے مراد قریش کے قبائل سے آپ کی رشتہ داری ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اس کے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ہم انکار نہیں کرتے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت سے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے اور ان کی عزت و احترام کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ روئے

(۱) مختصر الصواعق المرسلۃ: ۱/۹۰۔

ارض پر سب سے معظم خاندان کی پاک نسل ہیں۔ فخر اور حسب و نسب میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً جبکہ وہ متبع سنت ہوں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی روشن اور واضح شریعت کے پیروکار ہوں، جیسا کہ ان سے سلف مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت اور ان کی نسل کے لوگ تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔"

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت کے شان و مرتبہ اور تعظیم کے بارے میں حضرت ابو بکر کے دو اثر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ایک اثر بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا عقیدہ شیخین رضی اللہ عنہما جیسا ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء اور مرسلین کے بعد افضل ترین مومن تھے۔ اللہ ان سے اور سب صحابہ سے راضی ہو۔"(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں ایک حدیث کے بارے میں، جس کی سند یوں ہے:

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۴/ ۱۴۳، ۱۴۴، سورۃ الشوریٰ، آیت: ۲۳۔

«علي بن حسين عن حسين بن علي عن علي بن أبي طالب رضي الله عنهم» (فتح الباري:۱۱/۳)

فرمایا: ”باپ دادا سے روایت بیان کرنے والوں میں یہ سند صحیح ترین اور سب سے بلند مرتبہ ہے۔“

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی، جن کے نام یہ ہیں: عبداللہ، علی، حسن، حسین، ابراہیم، عبدالعزیز، اور فاطمہ۔ یہ سب نام، سوائے عبدالعزیز کے اہل بیت کے نام ہیں۔ عبداللہ اور ابراہیم نبی کریم ﷺ کے بیٹے تھے۔ باقی علی، فاطمہ، حسن اور حسین آپ کے داماد، بیٹی اور نواسوں کے نام ہیں...... رضی اللہ عنہم۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کا اپنے بچوں کے لیے ان ناموں کا انتخاب کرنا ان کی اہل بیت سے محبت اور عقیدت کا مظہر ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ یہ نام ان کے پوتوں اور نواسوں میں بار بار آتے ہیں۔

اس فصل کے اختتام پر یہ بتا دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بحمد اللہ کئی بیٹے بیٹیاں عطا فرمائے ہیں، میں نے ان کے نام علی، حسن،

حسین، فاطمہ اور سات امہات المومنین کے اسمائے گرامی پر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ اس نے میرے دل میں جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام اور اہل بیت کی محبت بھر دی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو قائم و دائم رکھے اور میرے دل اور زبان کو ان میں سے کسی کے بارے میں بھی کینہ اور بدزبانی سے محفوظ رکھے۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالإِيمَانِ وَلاَ تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلاًّ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ الحشر:١٠۔

"اے ہمارے رب! ہمیں بھی معاف فرما اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں کسی مومن کے بارے میں بغض اور کینہ نہ رکھنا، اے ہمارے رب! تو بہت شفیق اور مہربان ہے۔"

چھٹی فصل:

اہل بیت صحابہ کے بارے میں بعض اہل علم کی ثنا خوانی

نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ:

علامہ ذہبی ان کی بابت فرماتے ہیں:

«كَانَ مِنْ أَطْوَلِ الرِّجَالِ، وَأَحْسَنِهِمْ صُورَةً، وَأَبْهَاهُمْ، وَأَجْهَرِهِمْ صَوْتًا، مَعَ الْحِلْمِ الْوَافِرِ وَالسُّؤْدَدِ» (سير أعلام النبلاء:٢/٧٩، ٨٠)

"آپ بلند ترین قد کاٹھ، انتہائی حسین شکل و صورت، پر رونق چہرہ اور انتہائی بلند آواز والے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وافر عقل، تحمل و بردباری اور سیادت کا مرقع تھے۔"

حضرت زبیر بن بکار فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ: "بنو ہاشم کے ننگوں کے لیے لباس، بھوکوں کے لیے بھرپور کھانا اور جاہلوں کے لیے علم

وحکمت مہیا کرنے والے تھے۔ پڑوسی کی حفاظت کرتے تھے، دوسرے کے لیے بے دریغ مال خرچ کرتے تھے اور ناگہانی آفات سے بچاؤ کے لیے ہر قسم کا تعاون فرماتے تھے۔"[1]

نبی ﷺ کے ایک اور چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ :

حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے:

"حضرت حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے محترم چچا تھے۔ انہیں "اللہ کا اور اس کے رسول کا شیر" کہا جاتا تھا، ان کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ تھی۔"[2]

اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے شیر، بہادر، اسد اللہ، ابو عمارہ، ابو یعلیٰ، قریشی، ہاشمی، مکی، مدنی، بدری، شہید اسلام، جناب رسول اللہ ﷺ کے چچا اور آپ کے رضاعی بھائی تھے۔"[3]

---

(١) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ١/ ٢٧١۔

(٢) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ١/ ٢٧١۔

(٣) سیر أعلام النبلاء: ١/ ١٧٢۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں حضرت شریح بن ہانی سے باسند بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

«أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقَالَتْ: عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَسَلْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ» (صحيح مسلم، الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين، ح: ٢٧٦)

"میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھنے کے لیے حاضر ہوا تو وہ فرمانے لگیں: "حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو، کیونکہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں ہوتے تھے۔" ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: "جناب رسول اللہ ﷺ نے مسافر کو تین دن اور تین رات اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کی اجازت دی ہے۔"

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یوں ہیں:

«اِئْتِ عَلِيًّا فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنِّي، فَأَتَيْتُ عَلِيًّا، فَذَكَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ» (صحيح مسلم، الطهارة، باب التوقيت في المسح على الخفين، ح :٢٧٦)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ اس مسئلہ کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ سے مذکورہ بالا روایت بیان کی۔"

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور قاضی اسماعیل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کسی بھی صحابی کے فضائل میں اچھی سندوں والی اتنی روایات مروی نہیں جتنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل میں مروی ہیں۔" امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں۔[1]

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

---

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۵۱/۳۔

"حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی بن ابی طالب علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے: "اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف مہلک تیر تھے، اس امت کے ربانی عالم تھے، صاحب فضیلت اور سابقین اولین میں شامل تھے، جناب رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سستی کے قائل نہ تھے اور نہ اللہ کے دین میں کسی ملامت کی پروا کرنے والے تھے، اللہ کے مال میں خیانت کا تصور تک نہ کرنے والے تھے، آپ نے اپنی تمام صلاحیتیں قرآن مجید کے لیے وقف کر رکھی تھیں اس لیے معارف قرآن سے جی بھر کر فیض یاب تھے۔ او نادان! یہ شان ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی۔"[1]

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ اصم نے عباس دوری سے روایت کیا ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے افضل ترین افراد بالترتیب یہ ہیں: ابو بکر، عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔ یہ ہمارا اور ہمارے ائمہ کا مذہب ہے۔"[2]

---

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۳/ ۴۷۔

(۲) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۳/ ۵۲۔

حافظ ابن عبد البر مزید فرماتے ہیں، ابو احمد زبیری وغیرہ نے مالک بن مغول سے اور انہوں نے اکیل سے روایت کی ہے کہ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مجھے حضرت علقمہ کہنے لگے کہ جانتے ہو اس امت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا مثال ہے؟ میں نے کہا: "آپ ہی فرمایئے۔" فرمانے لگے: "ان کی مثال حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرح ہے۔ کچھ لوگوں نے ان سے بے تکی محبت کی جس کی بنا پر وہ گمراہ ہو گئے اور کچھ لوگوں نے ان سے بلاوجہ بغض رکھا اور وہ بھی گمراہ ہو گئے۔"(۱)

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روافض اور خوارج کی طرف ہے۔ علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا:

"اس بات پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے، ہجرت کی، جنگ بدر اور صلح حدیبیہ میں حاضر

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۳/ ۶۵۔

تھے، بلکہ تمام معروف جنگوں میں شریک ہوئے اور بدر، احد، خندق اور خیبر میں عظیم کارنامے سرانجام دیئے اور اہل اسلام کو بہت فائدہ پہنچایا۔ نتیجتاً بہت بلند مقام حاصل کیا۔ بہت سی جنگوں میں جناب رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں رہا۔ جنگ بدر میں بھی محقق یہی ہے کہ جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ غزوہ اُحد میں جب مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادیا۔"[1]

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ ان کو بلکہ تمام بنو ہاشم کو وظائف وغیرہ میں دوسرے صحابہ سے بہت مقدم رکھتے تھے۔ رُتبہ واحترام، محبت وعقیدت اور توصیف وتعظیم میں ان کو بلند مرتبہ جانتے تھے اور دوسرے صحابہ سے انہیں افضل سمجھتے تھے، کیونکہ ان کو فضیلت اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی زبان سے کبھی کوئی بری بات نہیں

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۳/ ۳۴۔

سنی گئی، بلکہ بنو ہاشم میں سے کسی کے بارے میں بھی کوئی برا کلمہ کبھی ان کی زبان پر نہیں آیا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی قطعاً ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیخین سے محبت و عقیدت رکھتے تھے، ان کی تعظیم کرتے تھے اور انہیں پوری امت میں سے افضل خیال کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں کبھی کوئی برا کلمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان پر نہیں آیا۔ نہ کبھی انہوں نے یہ کہا کہ میں شیخین سے بڑھ کر خلافت کا مستحق ہوں۔ جو شخص بھی تاریخی حقائق اور معتبر روایات سے واقفیت رکھتا ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے۔"(۱)

انہوں نے مزید فرمایا:

"رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو تمام اہل سنت ان سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور علانیہ طور پر انہیں خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ ائمہ میں سے شمار کرتے ہیں۔"(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کی بابت فرماتے ہیں:

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ: ۱۷۸/۶۔

(۲) منہاج السنۃ النبویۃ: ۱۸/۶۔

"حضرت علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ نسباً ہاشمی، لقب حیدر، کنیت ابو تراب اور ابوالحسنین، جناب رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد سابقین اوّلین میں شامل تھے۔ محققین کی ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے، عرب کے شاہ سوار اور عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ میں فوت ہوئے تو اس وقت روئے ارض کے تمام انسانوں سے افضل تھے۔ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ راجح قول کے مطابق ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔"(۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد پندرہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔ علامہ عامری نے یہ بات اپنی کتاب "اَلرِّيَاضُ الْمُسْتَطَابَة فِي جُمْلَةِ مَنْ رَوَى فِي الصَّحِيحَين من الصَّحَابَة" میں ذکر کی ہے۔ اور اس میں انہوں نے سب کے نام ان کی ماؤں سمیت ذکر کئے ہیں۔ نیز لکھا ہے: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسل حضرت حسن، حسین، محمد، عمر اور عباس ہی سے پھیلی ہے۔"(۲)

---

(۱) تقریب التهذیب، ص: ۶۹۸۔

(۲) الریاض المستطابۃ، ص: ۱۸۰۔

نواسۂ رسول حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ سے متواتر روایات ثابت ہیں کہ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَعَسَى اللهُ أَنْ يُبْقِيَهُ حَتَّى يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائیں گے کہ یہ امت مسلمہ کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کروائے گا۔''

اس روایت کو صحابۂ کرام کی کثیر جماعت نے بیان کیا ہے۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَإِنَّهُ رَيْحَانَتِي مِنَ الدُّنْيَا»

''یہ تو دنیا میں میرا خوشبودار پھول ہے۔''

جسے جناب رسول اللہ ﷺ سردار کہیں اس سے بڑا سردار کون ہو سکتا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بڑے بردبار، پرہیزگار اور صاحب علم و فضل تھے۔ ان کے تقویٰ و علم نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار

ہوتے ہوئے دنیا اور حکومت سے دست کش ہو جائیں۔ انہوں نے اس موقع پر فرمایا:

"اللہ کی قسم! جب سے مجھے اپنے نفع و نقصان کی چیزوں کا شعور ہوا ہے میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ میں اپنے نانا ﷺ کی امت پر حکومت کروں اور اس کے لیے ایک چلو بھی خون بہایا جائے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان بچانے کے لیے بھرپور سرگرمی دکھائی تھی۔"[1]

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی یوں مدح سرائی کی ہے:

آپ "امام، سردار، جناب رسول اللہ ﷺ کے مہکتے پھول، آپ کے نواسے، جوان جنتیوں کے سردار، ابو محمد، قرشی، ہاشمی، مدنی اور شہید فی سبیل اللہ ہیں۔"[2]

ایک اور مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

---

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۱/۳۶۹۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۴۵، ۲۴۶۔

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے امام، سردار، حسین وجمیل، عقلمند، سمجھدار، سخی، تعریف سے بھرپور، نیک سیرت، دیندار، پرہیز گار، صاحب وجاہت اور بڑی شان والے تھے۔“[(۱)]

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق یوں تبصرہ فرمایا ہے:

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بہت تکریم وتعظیم کیا کرتے تھے، حد درجہ احترام فرماتے تھے، بلکہ ان پر فدا و قربان ہوتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے اور ان سے حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں محصور تھے اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے ان کے پاس موجود تھے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے سلسلے میں لڑنا چاہتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں ان کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے، اس لیے انہیں اللہ کا واسطہ دے کر گھر بھیج دیا تاکہ وہ محفوظ رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔“[(۲)]

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۲۵۳۔

(۲) البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۱۹۲، ۱۹۳۔

نواسۂ رسول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ صاحب علم و فضل، دین دار، بکثرت روزے رکھنے والے، نوافل کے شائق اور حج کے دلدادہ تھے۔"(۱)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے اس دن (یوم عاشوراء) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت سے سرفراز فرمایا اور ان کے قاتلین کو یا قتل پر مدد کرنے والے اور قتل سے خوش ہونے والے لوگوں کو رسوا فرمایا۔ یہ شہادت ان کے خاندان میں کوئی نئی بات نہ تھی، پہلے شہداء ان کے لیے بہترین نمونہ تھے۔ پھر وہ خود اور ان کے بڑے بھائی نوجوان جنتیوں کے سردار ہیں۔ انہیں اسلام کے عز و شرف میں تربیت کا اعزاز حاصل تھا۔ انہیں ہجرت اور جہاد کا اور اللہ کی راہ میں صبر کا وہ موقع نہ مل سکا تھا جو دیگر اہل بیت کو ملا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رفع درجات اور عزت و شرف کی تکمیل کے لیے انہیں شہادت کا اعزاز نصیب فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی شہادت امت کے لیے ایک عظیم صدمہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے

(۱) الاستیعاب حاشیۃ الاصابۃ: ۱/۳۷۷۔

مصیبت کے وقت مندرجہ ذیل ارشاد کے ذریعہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ٥ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرہ:۱۵۵تا۱۵۷)

(نبی کریم)! صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجیے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں "ہم سب اللہ ہی کی مِلک ہیں اور اللہ ہی کی طرف جانے والے ہیں۔" انہی خوش نصیب لوگوں پر اللہ کی خصوصی رحمتیں اور مہربانیاں نازل ہوتی ہیں، دراصل یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"(۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ صاحب عزو شرف و کمال امام، جناب رسول اللہ ﷺ کے نواسے، دنیا میں آپ کے مہکتے پھول اور عزیز از جان محبوب،

(۱) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۴/ ۵۱۱۔

ابو عبداللہ حسین بن امیر المومنین ابی الحسن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی، قریشی اور ہاشمی رضی اللہ عنہ تھے۔"(۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ اقدس میں زندگی گزارنے کا شرف حاصل ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات تک وہ ہر دم آپ کے ساتھ رہے، آپ آخر دم تک ان سے راضی رہے، البتہ وہ چھوٹے تھے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بہت تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا بھی یہی حال تھا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کے ساتھ رہے اور ان سے روایات بیان کیں۔ سب جنگوں میں ان کے ساتھ رہے، جنگ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک تھے۔ وہ بڑی عظمت اور حیثیت کے مالک تھے۔"(۲)

جناب رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں انہی سے نقل فرمایا ہے، وہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء : ۳/۲۸۰۔

(۲) البدایۃ والنہایۃ : ۱۱/۴۷۶۔

فرماتے ہیں:

«كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ، فَكَأَنَّ بَعْضَهُمْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ، فَقَالَ: لِمَ تُدْخِلُ هَذَا مَعَنَا وَلَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ عَلِمْتُمْ، فَدَعَا ذَاتَ يَوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُمْ، فَمَا رُئِيْتُ أَنَّهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلاَّ لِيُرِيَهُمْ، قَالَ: مَا تَقُولُونَ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أُمِرْنَا نَحْمَدُ اللّٰهَ وَنَسْتَغْفِرُهُ إِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَيْنَا، وَسَكَتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، فَقَالَ لِي: أَكَذَاكَ تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ؟ فَقُلْتُ: لاَ، قَالَ فَمَا تَقُولُ؟ قُلْتُ: هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَعْلَمَهُ لَهُ، قَالَ: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ وَذَلِكَ عَلاَمَةُ أَجَلِكَ، ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلاَّ مَا تَقُولُ» (صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: فسبح بحمد ربك واستغفره....، ح: ٤٩٧٠)

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے بدر میں شریک ہونے والے بزرگوں کے برابر بٹھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی بزرگ کو محسوس ہوا تو وہ کہنے لگے "حضرت! آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں جبکہ اس جیسے تو ہمارے بیٹے بھی ہیں؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تمہیں اس کا شرف بخوبی معلوم ہے۔" ایک دن آپ نے پھر مجھے ان کی مجلس میں بلایا، میرا اندازہ ہے کہ اس دن آپ نے میری فضیلت دکھانے کے لیے ہی بلایا تھا۔ حضرت عمر کہنے لگے: "بتائیے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کا مقصد کیا تھا؟" کسی نے کہا: "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح و مدد حاصل ہو تو ہم حمد و استغفار کریں۔" کئی چپ رہے اور کچھ بھی نہ کہا۔ آپ مجھے فرمانے لگے: "ابن عباس! تم بھی یہی کچھ کہتے ہو؟" میں نے گزارش کی "نہیں جناب!" فرمایا: "تم کیا کہتے ہو؟" میں نے کہا: "اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے کہ اب عمومی فتح حاصل ہو چکی ہے، لوگ بن بلائے اسلام قبول کر رہے ہیں، گویا آپ کی تشریف آوری کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اب تیاری

فرمایئے اور اللہ کو یاد کیجیے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:
"میں بھی اس کا یہی مطلب سمجھتا ہوں۔"

طبقات ابن سعد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:
"میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر کوئی حاضر دماغ، عقل مند، صاحب علم و فہم اور متحمل مزاج نہیں دیکھا۔ واللہ! میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے مدبر مشکل معاملات میں انہی کو بلایا کرتے تھے۔"(۱)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی علم و فہم اور ذہانت عطا کیے گئے تھے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ترجیح دی ہو۔"

نیز اسی مقام پر حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں لکھا ہے:
"جب انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات کی اطلاع دی گئی تو افسوس سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمانے لگے: "اوہو! سب

(۱) الطبقات لابن سعد: ۳۶۹/۲۔

لوگوں سے بڑا عالم اور سب لوگوں سے بڑا عقل مند فوت ہو گیا۔ اللہ کی قسم! ان کی وفات سے امت مسلمہ کو عظیم نقصان پہنچا ہے جو پورا نہ ہو سکے گا۔"(۱)

حضرت ابوبکر بن حزم سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

"آج وہ شخصیت اس جہان سے رخصت ہو گئی کہ مشرق و مغرب کے سب لوگ علم میں ان کے محتاج تھے۔"(۲)

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاستیعاب" میں حضرت مجاہد سے منقول ہے:

"میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے سے بہتر کوئی فتویٰ نہیں سنا، اِلّا یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہو۔ اسی قسم کے الفاظ حضرت قاسم بن محمد سے بھی مروی ہیں۔"(۳)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) الطبقات لابن سعد: ۲/ ۳۷۰۔

(۲) الطبقات لابن سعد: ۲/ ۳۷۲۔

(۳) الاستیعاب لابن عبدالبر: ۲/ ۳۵۳۔

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح سند سے منقول ہے کہ آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بزرگ صحابہ کے برابر بٹھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے بہترین مفسر ہیں۔“ اور جب آپ حضرت ابن عباس کو آتا دیکھتے تو فرماتے:

”بزرگوں جیسا نوجوان آ گیا جسے اللہ تعالیٰ نے تحقیق کرنے والی زبان اور فہم و فراست والا دل عطا فرمایا ہے۔“(۱)

رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا ذکر یوں ہے:

«وَكَانَ أَخْيَرَ النَّاسَ لِلْمَسَاكِينِ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، كَانَ يَنْقَلِبُ بِنَا فَيُطْعِمُنَا مَا كَانَ فِي بَيْتِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ لَيُخْرِجُ إِلَيْنَا الْعُكَّةَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ فَيَشُقُّهَا، فَنَلْعَقُ مَا فِيهَا» (صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب جعفر بن أبي طالب الهاشمي رضي الله عنه، ح: ۳۷۰۸)

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/ ۸۸۔

"مساکین کے لیے سب سے بہتر شخص حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ ہمیں گھر لے جاتے اور جو کچھ میسر ہوتا ہمیں کھلاتے، حتی کہ کبھی گھی کی تھیلی اٹھا لاتے، اگر اس میں زیادہ گھی نہ ہوتا تو تھیلی پھاڑ دیتے اور ہم تھیلی سے گھی چاٹ لیتے تھے۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت، جسے امام ترمذی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے، کے مطلق الفاظ بھی مندرجہ بالا روایات پر محمول ہوں گے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«مَا احْتَذَى النِّعَالَ وَلاَ انْتَعَلَ وَلاَ رَكِبَ الْمَطَايَا وَلاَ رَكِبَ الْكُورَ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ» (جامع الترمذي، المناقب، باب قول أبي هريرة ما احتذى النعال....: ح، ٣٧٦٤)

"رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی شخص نہ جوتی پہن کر چلا، نہ سواری پر سوار ہوا اور نہ اونٹ کی کاٹھی پر چڑھا۔" (یعنی سخاوت اور مسکین سے محبت میں کوئی شخص ان سے

افضل نہ تھا، یہ نہیں کہ حضرت جعفر مطلقاً سب صحابہ سے افضل تھے)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"مسلمانوں کے سردار، شہید اسلام، مجاہدین کے سالار، ابو عبداللہ، رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی، ابن عبد مناف بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی، ہاشمی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی، جوان سے دس سال بڑے تھے، انہوں نے دو ہجرتیں فرمائیں۔ حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مسلمانوں کو خیبر کے مقام پر ملے جبکہ خیبر فتح ہو چکا تھا۔ آپ مدینہ منورہ میں چند ماہ ٹھہرے پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ موتہ میں امیر لشکر مقرر فرمادیا۔ پس یہ اسی غزوے ہی میں شہید ہو گئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے مدینہ منورہ آنے سے بہت خوش ہوئے تھے۔ ان کی وفات سے آپ غمگین بھی بہت ہوئے۔"(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تقریب التهذیب" میں ان کا تذکرہ یوں مرقوم ہے:

"جعفر بن ابی طالب ہاشمی، ابو المساکین، ذوالجناحین، عظیم الشان صحابی،

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۲۰۶۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی، ۸ ہجری میں غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے، ان کا ذکر صحیح بخاری ومسلم میں موجود ہے، اگرچہ ان سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔"(۱)

آپ کو "ذوالجناحین" کہا جاتا ہے کیونکہ جب غزوۂ موتہ میں ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بدلہ میں دو پر عطا فرمائے، جن کے ذریعہ وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے باسند منقول ہے:

«أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ إِذَا سَلَّمَ عَلَى ابْنِ جَعْفَرَ قَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ»

(صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب جعفر بن أبي طالب الهاشمي رضي الله عنه، ح:۳۷۰۹)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کہتے تو فرماتے: "ذوالجناحین (دو پروں والے) کے بیٹے! تجھ پر سلام۔"

(۱) تقریب التھذیب، ص:۱۹۹۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز تخاطب میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

«هَنِيئًا لَكَ، أَبوكَ يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَاءِ» (فتح الباري:٧/٩٨)

"تجھے مبارک ہو! تیرا باپ آسمانوں میں فرشتوں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔"

یہ حدیث طبرانی میں حسن سند کے ساتھ مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات ذکر کی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّ جَعْفَرَ يَطِيرُ مَعَ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، لَهُ جَنَاحَانِ عَوَّضَهُ اللهُ مِنْ يَدَيْهِ» (فتح الباري:٧/٩٨)

"حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ

اڑتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ہاتھوں کے عوض دو پَر عطا کیے ہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس حدیث کی سند اچھی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے عم زاد کے بیٹے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما:

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِصِبْيَانِ أَهْلِ بَيْتِهِ، قَالَ: وَإِنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِي إِلَيْهِ، فَحَمَلَنِي بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ جِيءَ بِأَحَدِ ابْنَي فَاطِمَةَ، فَأَرْدَفَهُ خَلْفَهُ، قَالَ: فَأُدْخِلْنَا الْمَدِينَةَ ثَلَاثَةً عَلَى دَابَّةٍ وَاحِدَةٍ» (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبد الله بن جعفر رضي الله عنهما، ح:٢٤٢٨)

"جناب رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کے استقبال کے لیے آپ کے اہل بیت کے بچوں کو لے جایا جاتا۔ ایک دفعہ آپ سفر سے واپس تشریف لائے تو مجھے آپ کے پاس

لے جایا گیا، آپ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں (حسنین) میں سے کسی ایک کو لایا گیا، تو آپ نے اسے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ ہم تینوں اسی طرح ایک ہی سواری پر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔"

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سردار، عالم، ابو جعفر، قریشی، ہاشمی، پیدائش حبشہ میں ہوئی، پھر مدینہ منورہ میں رہنے لگے، دو پروں والے سخی باپ کے سخی بیٹے، صحابی بھی تھے اور آپ نے چند روایات بھی بیان کی ہیں، ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، ان کے والد غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی کفالت فرمائی اور آپ کی پرورش میں پلے بڑھے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"وہ بڑے عظیم الشان، شریف النفس اور سخی تھے اور امامت کے قابل تھے۔"(۱)

علامہ عامری "الریاض المستطابہ" میں ان کی بابت فرماتے ہیں:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۵۶۔

"حضرت ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا جنازہ پڑھایا، کیونکہ وہ ان دنوں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابان نے ان کے جنازے کو کندھا دے رکھا تھا، جبکہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ ساتھ ساتھ فرما رہے تھے: "اللہ کی قسم! آپ سراپا خیر تھے، آپ میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ اللہ کی قسم! آپ شریف النفس، صاحب علم و فضل اور حسن سلوک کرنے والے تھے۔"(۱)

دیگر اہل بیت صحابہ:

جناب حارث بن عبدالمطلب کے چار بیٹے ابوسفیان، نوفل، ربیعہ اور عبیدہ۔

ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبدالمطلب۔

حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے دو بیٹے حارث اور مغیرہ۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کے دو بیٹے جعفر اور عبداللہ۔

ابولہب عبدالعزی بن عبدالمطلب کے دو بیٹے معتب اور عتبہ۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب کے دو بیٹے فضل اور عبیداللہ.. رضی اللہ عنہم..

---

(۱) الریاض المستطابۃ، ص: ۲۰۵۔

ساتویں فصل:

اہل بیت صحابیات کے بارے میں اہل علم کی مدح سرائی

رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ سَمْتًا وَدَلًّا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللّٰهِ فِي قِيَامِهَا وَقُعُودِهَا مِنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» (سنن أبي داود، الأدب، باب في القيام، ح:٥٢١٧، وجامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في فضل فاطمة [ابنت محمد ﷺ] رضي الله عنها، ح:٣٨٧٢ واللفظ له)

"میں نے اٹھنے بیٹھنے کے انداز اور طور طریقوں میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھنے والا حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بابت یوں مدح سرائی فرمائی ہے:

”انتہائی عابدہ وزاہدہ، صاف دل خاتون، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پاکباز، سیدہ، جناب رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر جو آپ سے بہت مشابہت رکھتی تھیں، اولاد میں سب سے زیادہ آپ کے دل کے قریب اور آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ کو جا ملنے والی، دنیا اور اس کی زینت سے دور ونفور اور دنیا کی پیچدار آفات اور خرابیوں سے بخوبی مطلع۔“[۱]

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں مدح سرائی کی ہے:

”اپنے زمانہ میں تمام عورتوں کی سردار، نبی کریم ﷺ کی لخت جگر اور ذریعہ نسل، اپنے عظیم باپ کے مشابہ، سردار خلائق جناب رسول اللہ ﷺ ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کی صاحبزادی، قریشیہ، ہاشمیہ، حسن وحسین کی والدہ۔ نبی کریم ﷺ ان سے شدید محبت رکھتے، ان کی خصوصی تکریم وتعظیم فرماتے اور ان کے ساتھ راز کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ وہ انتہائی صابرہ، دین دار، نیک نفس، صاحب عزت، عصمت مآب، قناعت پسند اور شکر گزار خاتون تھیں۔“[۲]

---

(۱) حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۹۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۱۸، ۱۱۹۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایۃ والنہایہ" میں یوں تذکرہ فرمایا ہے:

"ان کی کنیت "ام ابیھا" تھی۔ مشہور قول کے مطابق وہ نبی کریم ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ آپ کی وفات کے وقت اولاد میں سے صرف وہی حیات تھیں اور انہیں اکیلے آپ ﷺ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، تبھی انہیں عظیم اجر حاصل ہوا۔"(۱)

ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"مومنوں کی پہلی اور بڑی ماں، اپنے دور کی تمام عورتوں کی سردار، جناب رسول اللہ ﷺ کی تمام اولاد (حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ) کی والدہ، جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور آپ کا حوصلہ مضبوط کیا۔ ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ ان کا شمار کامل عورتوں میں کیا گیا۔ انتہائی سمجھ دار، صاحب وجاہت، دیندار، عفت مآب، صاحب عزو شرف اور جنتی خاتون۔ نبی اکرم ﷺ ان کی بہت تعریف فرماتے، تمام امہات المومنین پر ان کو فضیلت دیتے اور ان کی بہت تعظیم وتکریم

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ :۹/ ۴۸۵۔

فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ان سب سے پہلے انہی سے شادی کی، ان کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے شادی کی، نہ کوئی باندی رکھی۔ پھر ان سے آپ کے کئی بچے بھی پیدا ہوئے۔ ان کی وفات سے آپ کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ وہ آپ کے لیے بہترین ساتھی ثابت ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ انہیں جنت میں ایسے گھر کی خوشخبری دیں جو ایک موتی سے بنا ہوا ہوگا، اس میں شور سنائی دے گا نہ کوئی تکلیف اور بیماری رسائی پائے گی۔"(۱)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان کی بابت فرماتے ہیں:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی زبانی انہیں سلام بھیجا تھا۔ اللہ گواہ ہے کہ یہ فضیلت ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔"

اس سے پہلے حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں:

"اور ان کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ وہ امت مسلمہ میں افضل ترین خاتون ہیں۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں؟"

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۱۰۹، ۱۱۰۔

علماء کے اس کی بابت تین اقوال ہیں: تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ میں نے اپنے استاذِ گرامی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"دونوں میں سے ہر ایک اپنی اپنی خصوصیت رکھتی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمات اسلام کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیا کرتی تھیں، آپ کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ آپ کو سکون بخشتی تھیں۔ آپ کی خاطر مال خرچ کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام کا ابتدائی دور پایا۔ اللہ تعالیٰ اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کی خاطر بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو مدد و نصرت کی بہت ضرورت تھی۔ اس خدمت کو انہوں نے جس خوبی سے سرانجام دیا وہ کسی اور بیوی کو نصیب نہ ہو سکی۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمات کا تعلق اسلام کے آخری دور سے ہے۔ دین کی سمجھ اور امت تک اس کی تبلیغ کے سلسلے میں جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئیں۔ امت کو ان کے علم نے جو فائدہ پہنچایا اس کی نظیر ملنا نا ممکن ہے۔"(۱)

---

(۱) جلاء الافہام، ص: ۳۴۹۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ”سیر اعلام النبلاء“ میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”نبی کریم ﷺ نے ان کے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی دوسری بیوی سے ان جیسی محبت کی۔ امت محمدیہ بلکہ سب عورتوں میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم عورت پیدا نہیں ہوئی۔“(۱)

اسی کتاب میں حضرت علی بن اقمر سے منقول ہے:

”حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یوں فرماتے: ”مجھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی سب سے محبوب بیوی تھیں، جن کی براءت سات آسمانوں کے اوپر سے نازل ہوئی۔ لہٰذا مجھے ان کی بات میں ذرہ بھر بھی شک نہیں۔“(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۴۰۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۸۱۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کچھ خصوصیات ذکر کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

”وہ جناب رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ آپ نے ان کے سوا کسی کنواری سے شادی نہیں کی۔ جب آپ ان کے لحاف میں ہوتے تھے تو اس وقت بھی آپ پر وحی آجایا کرتی تھی۔ جب بیویوں کو اختیار دینے والی آیت اتری تو آپ نے سب سے پہلے انہی کو سنائی اور ان کو اختیار دیا تو انہوں نے فوراً اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنے کا اعلان کیا، پھر باقی ازواج مطہرات نے بھی انہی کے طریقہ پر عمل کیا۔ جب قصۂ افک میں ان پر الزام لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت کا نہ صرف اعلان فرمایا بلکہ ان کی پاکیزگی کے بارے میں وحی اتاری جو قیامت تک نمازوں اور مساجد میں پڑھی جاتی رہے گی، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی گواہی دی کہ ان کا شمار پاکیزہ عورتوں میں ہوتا ہے۔ اور ان کے لیے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ اس عظیم شان و مرتبہ کے باوجود وہ کسرِ نفسی کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ”میرے نزدیک میرا مرتبہ اس سے بہت کم ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں قرآن نازل فرمائے جو تاقیامت پڑھا جائے۔“ بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب

کسی دینی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو وہ آکر ان سے پوچھتے اور اس مسئلہ میں شافی جواب حاصل کرتے۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں، ان کی باری کے دن ان کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے اور انہی کے گھر میں دفن ہوئے۔ فرشتے نے ان کی تصویر نبی اکرم ﷺ کو شادی سے قبل ریشم کے کپڑے میں دکھائی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ میری بیوی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب پیدا فرما دیں گے۔ لوگ (صحابہ کرام) تحفے بھیجتے وقت اس انتظار میں رہتے کہ ان کی باری کا دن آئے تو بھیجیں، چنانچہ وہ آپ کی عزیز ترین بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپ کو تحفہ بھیجتے۔"(۱)

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا :

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہ وہ پہلی خاتون ہیں جن سے آپ نے شادی فرمائی اور تقریباً تین سال وہ آپ کے گھر اکیلی رہیں، پھر آپ نے

(۱) جلاء الافہام، ص: ۳۵۱-۳۵۵۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ بہت بزرگ، عظیم الشان، سمجھدار، سردار قسم کی بڑے قدو کاٹھ اور بھاری جسامت والی خاتون تھیں۔ آخری دور میں انہی نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی تاکہ رسول اللہ ﷺ مزید خوش ہوں۔"(۱)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ بوڑھی ہوگئی تھیں اور آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا اس لیے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔ یہ ان کی خصوصی فضیلت تھی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قرب و محبت کی خاطر اپنی باری کے لیے آپ کی محبوب ترین بیوی کا انتخاب فرمایا۔ اور آپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی تمام بیویوں کے لیے باری مقرر فرماتے تھے، لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری، ان کی خوشی و رضامندی سے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے مقرر فرماتے تھے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اسے اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔"(۲)

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۶۵، ۲۶۶۔

(۲) جلاء الافہام، ص: ۳۵۰۔

ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"بلند مرتبہ عفت مآب خاتون، امیر المومنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، جب پہلے خاوند حضرت خنیس بن حذافہ سہمی بدری -جو مہاجر بھی تھے- کی وفات کے بعد عدت ختم ہوئی تو ۳ ہجری میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ازواج مطہرات میں سے صرف یہی خاتون میری ہم پلہ بنتی تھیں۔"(۱)

ام المومنین حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا:

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"پاکباز، عصمت مآب سردار خاتون، اولین مہاجر عورتوں کی سرخیل، ان کا شمار فقہاء صحابیات میں ہوتا ہے۔"(۲)

جناب یحییٰ بن ابی بکر عامری یوں مدح سرا ہیں:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۲۷۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۰۱ تا ۲۰۳۔

"یہ بہت صاحب علم و فضل اور متحمل مزاج خاتون تھیں۔ انہوں نے ہی صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو بہترین مشورہ دیا تھا (کہ آپ صحابہ سے کچھ نہ کہیں بلکہ اپنی حجامت بنوائیں اور قربانی کا جانور ذبح فرمائیں۔ صحابہ خود بخود عمل کریں گے اور پھر ایسا ہی ہوا) انہوں نے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا تھا۔"(۱)

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کی بابت یوں رطب اللسان ہیں:

"انہیں ان کی کثرت سخاوت کی وجہ سے 'ام المساکین' کا لقب حاصل تھا۔"(۲)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مساکین کو بکثرت کھانا کھلانے کی وجہ سے انہیں 'ام المساکین' کہا جاتا تھا۔ یہ آپ کے ہاں صرف دو تین ماہ زندہ رہیں پھر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔"(۳)

---

(۱) الریاض المستطابۃ، ص: ۳۲۴۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۸۔

(۳) جلاء الافہام، ص: ۳۷۶۔

ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:

سید المرسلین ﷺ نے ان کو اپنے نکاح کے لیے منتخب فرمایا اور یہ ان کے لیے بڑے فضل و شرف کی بات تھی۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہی وہ ام المومنین ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کی قوم کے سو گھرانے، جو غلام بنا لیے گئے تھے، یہ کہہ کر آزاد کر دیے کہ یہ لوگ تو جناب رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار بن چکے ہیں۔ گویا یہ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی برکت تھی جو ان کی قوم کو حاصل ہوئی۔"(۱)

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا:

جامع ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«إِنَّكَ لَابْنَةُ نَبِيٍّ، وَإِنَّ عَمَّكَ لَنَبِيٌّ، وَإِنَّكَ لَتَحْتَ نَبِيٍّ»

(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح: ٣٨٩٤)

"بلاشبہ تو ایک نبی کی نسل سے ہے۔ ایک نبی (موسیٰ علیہ السلام) تیرے چچا تھے اور تو ایک نبی (حضرت محمد ﷺ) کے نکاح میں ہے۔"

---

(۱) جلاء الافہام، ص: ۳۷۶، ۳۷۷۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صاحب عزوشرف، انتہائی عاقل، حسب ونسب اور جمال ودین کی تمام صفات سے متصف تھیں۔"(۱)

نیز فرماتے ہیں:

"حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تحمل وبردباری اور عزت ووقار کا مجسمہ تھیں۔"(۲)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔"

ابن قیم مزید فرماتے ہیں:

"ان کی خصوصی فضیلت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا اور آزادی ہی کو ان کا مہر بنادیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔" پھر یہ قیامت تک کے لیے سنت جاری

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۳۲۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۳۵۔

ہو گئی کہ ہر شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اور آزادی ہی کو مہر بنا لے تو یہ نہ صرف جائز ہو گا بلکہ فضیلت کا کام ہو گا۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے۔"(۱)

ام المومنین ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "عزت و عفت مآب سیدہ خاتون" کے الفاظ سے ملقب کیا ہے۔(۲)

نیز فرماتے ہیں:

"حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو خاص احترام و وقار حاصل تھا۔ خصوصاً ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جن کو ان کی وجہ سے "مومنوں کے ماموں" کے معزز لقب سے پکارا جاتا تھا۔"(۳)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں یوں مدح سرائی کی ہے:

---

(۱) جلاء الافہام، ص: ۳۷۷۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۱۸۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۲۲۔

"وہ عظیم الشان امہات المومنین میں سے تھیں اور انتہائی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں۔"[۱]

ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

"واللہ! وہ ہم سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔"[۲]

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"وہ سردار عورتوں میں سے تھیں۔"[۳]

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے:

«وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي مِنْهُنَّ فِي الْمَنْزِلَةِ

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۱۶۶۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۴۴۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۳۹۔

عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَلَمْ أَرَ امْرَأَةً قَطُّ خَيْرًا فِي الدِّينِ مِنْ زَيْنَبَ، وَأَتْقَى لِلّٰهِ، وَأَصْدَقَ حَدِيثًا، وَأَوْصَلَ لِلرَّحِمِ، وَأَعْظَمَ صَدَقَةً، وَأَشَدَّ ابْتِذَالاً لِنَفْسِهَا فِي الْعَمَلِ الَّذِي تَصَدَّقُ بِهِ وَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ [تَعَالَى]، مَاعَدَا سَوْرَةً مِنْ حِدَّةٍ كَانَتْ فِيهَا، تُسْرِعُ مِنْهَا الْفَيْئَةَ» (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها، ح:٢٤٤٢)

''ازواجِ مطہرات میں سے یہی وہ خاتون تھیں جو جنابِ رسول اللہ ﷺ کے ہاں عزت و منزلت میں میرے برابر ہوسکتی تھیں۔ دینی لحاظ سے میں نے کوئی عورت حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بہتر نہیں دیکھی۔ خشیت الٰہی، صدق مقال، صلہ رحمی، صدقہ و سخاوت اور تقرب الی اللہ کی جدوجہد میں ان کی نظیر تلاش کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان میں کچھ تلخی اور غصہ ضرور تھا جو جلد ہی فرو ہو جاتا تھا۔''

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے صریح قرآنی حکم کے ذریعے سے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ

کے ساتھ بغیر ولی اور گواہوں کے خود فرمایا۔ وہ اس بنا پر دوسری امہات المومنین پر فخر کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں: "تمہاری شادی تمہارے گھر والوں نے کی جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے عرش پر سے کی۔" یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔"(۱)

نیز فرماتے ہیں:

"دین داری، تقویٰ، سخاوت اور حسن سلوک کے لحاظ سے وہ سردار عورتوں میں سے تھیں۔"

مزید فرمایا:

"وہ انتہائی نیک نفس، کثرت سے روزے رکھنے والی، نماز کی شائق اور اعلیٰ اخلاق کی حامل خاتون تھیں۔ انہیں "ام المساکین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔"(۲)

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تعارف یوں پیش فرماتے ہیں:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۱۱۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۱۷۔

"حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی، عبدالمطلب کی بیٹی، ہاشمیہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن، نبی کریم ﷺ کے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں۔"

نیز فرماتے ہیں:

"صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پھوپھیوں میں سے ان کے سوا کوئی مسلمان نہیں ہوئی۔ وہ اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر سخت غمگین ہوئیں، لیکن انہوں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی طلب گار رہیں۔ نیز وہ اوّلین مہاجر عورتوں میں شامل ہیں۔"[1]

دیگر اہل بیت صحابیات:

جناب رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں: زینب، رقیہ اور ام کلثوم۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیاں ام کلثوم اور زینب۔ یہ حضرت فاطمہ سے تھیں۔

امامہ بنت ابی العاص بن ربیع، ان کی والدہ حضرت زینب بنت رسول اللہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۶۹، ۲۷۰۔

ﷺ تھیں۔ یہ آپ کی وہ نواسی ہیں جنہیں جناب رسول اللہ ﷺ کبھی نماز میں اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔

ام ہانی بنت ابی طالب بن عبد المطلب۔

زبیر بن عبد المطلب کی دو بیٹیاں ضباعۃ اور ام الحکم۔ ان دونوں کا ذکر ایک حدیث میں ہے جو سنن ابی داود میں ان سے ہی مروی ہے۔[1] اور حضرت ضباعۃ رضی اللہ عنہا وہی ہیں جن سے حج میں شرط لگانے والی روایت منقول ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا تھا:

«قُولِي: فَإِنْ حَبَسَنِي حَابِسٌ فَمَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي»

(صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح:٥٠٨٩)

"تو کہہ: اے اللہ! اگر مجھے کوئی رکاوٹ پیش آ گئی تو میں اسی جگہ حلال ہو جاؤں گی جہاں رکاوٹ پیش آئے گی۔"

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ۔

رضی اللہ عنہن وارضاھن۔

---

(۱) سنن ابی داود، حدیث: ۲۹۸۷۔

آٹھویں فصل:

بعض اہل علم کی اہل بیت تابعین کے بارے میں مدح سرائی

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب المعروف ابن حنفیہ رحمہ اللہ:

علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حضرت محمد بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔"[1]

علامہ مزّی رحمۃ اللہ علیہ "تہذیب الکمال" میں لکھتے ہیں کہ امام احمد بن عبد اللہ عجلی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ ثقہ تابعی اور انتہائی نیک شخصیت تھے۔"

امام ابراہیم بن عبد اللہ بن جنید نے فرمایا:

---

(۱) کتاب الثقات لابن حبان: ۵/ ۳۴۷۔

"عن علی عن النبی ﷺ کی سند سے بیان کرنے والوں میں کوئی شخص حضرت محمد بن حنفیہ سے بڑھ کر معتبر اور صحیح بیان کرنے والا ہمیں معلوم نہیں۔"(۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اسرائیل عن عبد الاعلی (ابن عامر) کے حوالہ سے یوں رقم طراز ہیں:

"حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو القاسم تھی، وہ انتہائی پرہیزگار اور متبحر عالم تھے۔"(۲)

مزید فرماتے ہیں:

"حضرت محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے سردار، امام، ابو القاسم، ابو عبد اللہ تھے۔"(۳)

حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب المعروف زین العابدین رحمہ اللہ:

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی یوں مدح سرائی کی ہے:

---

(۱) تہذیب الکمال: ۱/۷۹، ۸۰۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۱۵۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۱۰۔

"حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ معتبر، ثقہ، بلند مرتبہ، عظیم الشان اور پرہیزگار شخصیت تھے۔ ان سے بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔"(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یوں رقم طراز ہیں:

"حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین میں سے تھے۔ اور علم اور دین کے لحاظ سے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔"(۲)

علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کی بابت فرماتے ہیں:

"میں نے حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر صاحب علم وفضل کوئی قریشی نہیں دیکھا۔" ابو حازم، زید بن اسلم، امام مالک اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں۔

حضرت عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے رہنے والے، ثقہ اور معتبر تابعی تھے۔"

---

(۱) الطبقات لابن سعد: ۵/ ۲۲۲۔

(۲) منہاج السنۃ النبویۃ: ۴/ ۴۸۔

حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ ان کی بابت فرماتے ہیں:

"حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ تمام اہل بیت میں نیکی اور فضیلت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین لوگوں میں سے تھے۔ اور مروان بن حکم اور عبد الملک بن مروان ان سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔"(۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ یوں رطب اللسان ہیں:

"حضرت علی بن حسین مسلمانوں کے سردار، امام، زین العابدین، ہاشمی، علوی، مدنی تھے۔"(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یہ انتہائی معتبر، ثقہ، عبادت گزار، علم و فقہ کی حامل مشہور شخصیت تھے۔"(۳)

حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب المعروف محمد باقر رحمہ اللہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث حضرت

---

(۱) تہذیب الکمال: ۱۳/ ۲۳۸ تا ۲۴۰۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۳۸۶۔

(۳) تقریب التہذیب، ص: ۶۹۳۔

محمد باقر رحمہ اللہ سے یوں مروی ہے:

"ہم کئی افراد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہوئے تو وہ ہمارے بارے میں پوچھنے لگے۔ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا: "جناب! میں محمد بن علی بن حسین ہوں۔" یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف بڑھایا، پھر انہوں میرا اوپر والا بٹن کھولا پھر نچلا بٹن کھولا اور اپنا دست شفقت میرے سینے پر رکھا، میں ان دنوں نوجوان لڑکا تھا۔ پھر فرمانے لگے: "اے پیارے بھتیجے! خوش آمدید! جو دل چاہے پوچھو۔" میں نے گزارش کی "جناب! مجھے رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں بیان فرمایئے۔" پھر انہوں نے حجۃ الوداع کے بارے میں لمبی حدیث بیان کی۔"

اس واقعہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے عزت واحترام کی نشاندہی ہوتی ہے۔[1]

علامہ ابن تیمیہ "منھاج السنہ" میں یوں رقم طراز ہیں:

"اسی طرح ابو جعفر محمد بن علی (امام باقر رحمۃ اللہ علیہ) انتہائی دین دار اور بہترین عالم تھے۔" کہا گیا ہے کہ انہیں "باقر" اس لیے کہا جاتا تھا کہ انہوں

---

(١) صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ١٢١٨۔

نے علم کی خوب تحقیق کی۔ اس بنا پر نہیں کہ کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔"[۱]

علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ "تہذیب الکمال" میں لکھتے ہیں کہ علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ مدینہ منورہ کے رہنے والے معتبر اور ثقہ تابعی تھے۔"

ابن البرقی فرماتے ہیں:

"وہ صاحب علم و فضل اور فقیہ تھے۔"[۲]

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ یوں مدح سرا ہیں:

"مسلمانوں کے سردار، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن علی، علوی، فاطمی، مدنی، امام زین العابدین کے بیٹے، وہ علم و عمل، سیادت، شرف، بزرگی، ثقاہت اور متانت کا مجسمہ تھے۔ بلاشبہ خلافت کے قابل تھے۔ ان بارہ ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی امامیہ شیعہ حد درجہ تعظیم کرتے ہیں، بلکہ ان کو معصوم سمجھتے ہیں اور ان کے بارے میں تمام مسائل دین کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں،

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ: ۴/ ۵۰۔

(۲) تہذیب الکمال: ۷۱/ ۴۷۔

حالانکہ صرف فرشتے اور انبیاء ہی معصوم ہیں۔ ان کے علاوہ ہر شخص صحیح بھی کہہ سکتا ہے اور غلط بھی۔ اس کا قول لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ علاوہ نبی کریم ﷺ کے کہ وہ منجانب اللہ معصوم ہیں اور ان کو ہر وقت وحی کے ساتھ تائید حاصل رہتی ہے۔ حضرت ابو جعفر ''باقر'' کے لقب سے مشہور ہیں کہ انہوں نے علم کی اچھی طرح تحقیق کی تھی اور علم کی مخفیات تک ان کی رسائی تھی۔ وہ مجتہد امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بخوبی پڑھنے اور جاننے والے تھے۔ غرض وہ عظیم الشان شخصیت تھے۔''

نیز فرماتے ہیں:

''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے انہیں مدینہ منورہ کے فقہاء تابعین میں شمار کیا ہے۔ اور حفاظِ محدثین کا اجماع ہے کہ ان کی نقل کردہ حدیث سے حجت پکڑی جا سکتی ہے۔''(۱)

حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی شان میں یوں رطب اللسان ہیں:

''امام جعفر صادق رحمہ اللہ بہترین اہل علم اور دین دار لوگوں میں سے تھے۔''

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۴/۴۰۱ تا ۴۰۳۔

حضرت عمرو بن ابی مقدام فرماتے ہیں:

"جب میں حضرت جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو یقین آجاتا تھا کہ وہ واقعتاً انبیاء کی نسل سے ہیں۔"(۱)

مزید ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وہ علمائے امت کے سردار تھے۔"(۲)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام صادق، بنو ہاشم کے سردار، ابو عبداللہ، قریشی، ہاشمی، علوی، نبوی، مدنی، علمائے امت میں اہم شخصیت تھے۔"

ایک دوسرے مقام پر ان کے والد محترم اور ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ دونوں مدینہ منورہ کے جلیل القدر عالم تھے۔"(۳)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الحفاظ" میں فرماتے ہیں:

"امام شافعی اور امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہما نے ان کی ثقاہت کا کھلا

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ: ۴/ ۵۲، ۵۳۔

(۲) فضل اھل البیت وحقوقھم، ص: ۳۵۔

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۲۵۵۔

اعتراف کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر بن محمد رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔"

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اتنے ثقہ ہیں کہ ان کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔"(۱)

حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس رحمہ اللہ:

علامہ ابن سعد ان کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

"حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس رحمہ اللہ سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ روئے ارض پر سب سے زیادہ خوبصورت قریشی تھے، انتہائی وجیہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑھ کر نفلی نماز کے شائق تھے، حتی کہ ان کی عبادت اور فضیلت کی بنا پر ان کو "سجاد" کہا جاتا تھا۔"

مزید فرماتے ہیں:

"وہ انتہائی معتبر اور ثقہ تھے البتہ احتیاطاً حدیث کی روایت کم کیا کرتے تھے۔"(۲)

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۲۶۔

(۲) الطبقات لابن سعد: ۵/ ۳۱۳، ۳۱۴۔

علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ "تہذیب الکمال" میں لکھتے ہیں کہ امام عجلی اور امام ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وہ انتہائی معتبر اور ثقہ تھے۔"

عمرو بن علی فرماتے ہیں:

"وہ انتہائی نیک اور شریف النفس تھے۔"

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ ثقہ اور معتبر راویوں میں کیا ہے۔"(۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے حق میں یوں مدح سرا ہیں:

"سردار، امام، خلفاء کے باپ، ابو محمد، ہاشمی، سجاد۔ وہ علم و عمل، جسامت و خوبصورتی، قد و کاٹھ اور رعب و ہیبت کا مجسمہ تھے۔"(۲)

---

(۱) تہذیب الکمال: ۱۳/ ۷ ۴ ۳۔

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۵۲۔

نویں فصل:

اہل بیت کے بارے میں اہل سنت اور دیگر فرقوں کے عقیدے میں تقابل

گزشتہ ابحاث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ افراط و تفریط سے محفوظ ہے، اس میں غلو ہے نہ تنقیص۔ وہ سب سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں، کسی کی تنقیص نہیں کرتے اور نہ غلو سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ گویا وہ صحابہ اور اہل بیت دونوں سے بیک وقت محبت رکھتے ہیں۔ بخلاف گمراہ فرقوں کے کہ وہ اہل بیت کے کچھ افراد سے تو محبت میں غلو کرتے ہیں مگر بہت سے اہل بیت اور دیگر صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کی تنقیص کرتے ہیں۔ اہل بیت کے بارہ ائمہ یعنی حضرت علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے نو اماموں کے بارے میں اس گمراہ فرقے کے غلو کی ایک مثال کلینی کی

کتاب "الاصول من الکافی" کے مضامین ہیں جس کے چند ابواب ملاحظہ ہوں:

باب: ائمہ کرام علیہم السلام زمین میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے دروازے ہیں جن کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔ (۱/۱۹۳)

باب: ائمہ علیہم السلام وہ علامات ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ (۱/۲۰٦) اس باب میں شیعی راویوں سے مروی تین روایات ہیں جن میں قرآن مجید کی آیت کریمہ ﴿وَعَلامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ "نجم" سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے آل ہیں اور "علامات" سے ائمہ کرام مراد ہیں۔

باب: ائمہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔ (۱/ ۱۹۴) اس باب میں بھی چند شیعی روایات ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث کی سند ابو عبداللہ امام جعفر صادق تک پہنچتی ہے، جس میں اس آیت کریمہ کی تفسیر کی گئی ہے:

﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ

مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لاَ شَرْقِيَّةٍ وَلاَ غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (النور:۳۵)

امام جعفر صادق کی طرف اس کی تفسیر یوں منسوب کی گئی ہے کہ " " سے مراد حضرت فاطمہ ہیں۔ "مِصْبَاحٌ" سے مراد حضرت حسن ہیں۔ "زُجَاجَةٍ" سے مراد حضرت حسین ہیں۔ " كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ" سے بھی حضرت فاطمہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا کی عورتوں میں روشن ستارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ "شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ" سے مراد ابراہیم علیہ السلام ہیں، "شَرْقِيَّةٍ" سے مراد یہودیت اور "غَرْبِيَّةٍ" سے مراد عیسائیت ہے۔ "زَيْت" سے مراد علم ہے۔ "نُورٌ عَلَى نُور" سے مراد ائمہ کرام ہیں جو یکے بعد دیگرے آئے۔ "لِنُورِهِ" سے مراد بھی ائمہ کرام ہیں۔

باب: قرآن مجید میں مذکور لفظ "آیات" سے ائمہ کرام مراد ہیں۔ (۱/۲۰۷)

اس باب میں ﴿وَمَا تُغْنِي الآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لاَّ يُؤْمِنُونَ﴾ کی تفسیر میں کہا گیا ہے: "آیات" سے مراد ائمہ کرام ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری آیت ﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا﴾ میں "آیات" سے تمام

اوصیاء مراد لیے گئے ہیں۔ گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آل فرعون پر اس لیے عذاب آیا کہ انہوں نے اوصیاء یعنی ائمہ کرام کی تکذیب کی تھی۔

باب: جن اہل ذکر سے اللہ نے پوچھنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد ائمہ کرام ہیں۔(۱/ ۲۱۰)

باب: قرآن امام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔(۱/ ۲۱۶)

اس باب میں اللہ کے فرمان: ﴿إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ قرآن امام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے ائمہ کرام مراد ہیں کہ ان کی نصرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ عہد لیا ہے۔

باب: جس نعمت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں کیا ہے اس سے ائمہ کرام مراد ہیں۔ (۱/ ۲۱۷) ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس نعمت سے مراد ہم ہیں، قیامت کے دن جو شخص بھی کامیاب ہوگا ہمارے واسطے سے کامیاب ہوگا۔"

اسی طرح سورۃ رحمان کی مشہور آیت ﴿فَبِأَيِّ آلاَءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ کی تفسیر میں کہا گیا ہے: "کیا تم نبی کو جھٹلاتے ہو یا وصی کو؟"

باب: لوگوں کے اعمال نبی کریم ﷺ اور ائمہ کرام پر پیش کیے جاتے ہیں۔ (۲۱۹/۱)

باب: ائمہ علیہم السلام کے پاس وہ تمام کتابیں تھیں جو کسی بھی دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اور وہ باوجود زبانوں کے اختلاف کے ان سب کو جانتے پہنچانتے تھے۔" (۲۲۷/۱)

باب: مکمل قرآن مجید ائمہ علیہم السلام کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور وہی اس کے مکمل علم کو جانتے ہیں۔ (۲۲۸/۱)

باب: ائمہ علیہم السلام وہ تمام علوم جانتے ہیں جو ملائکہ، انبیاء اور رسولوں کو معلوم تھے۔ (۲۵۵/۱)

باب: ائمہ علیہم السلام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور وہ اپنے اختیار کے ساتھ فوت ہوتے ہیں۔ (۲۵۸/۱)

باب: ائمہ علیہم السلام ہر گزشتہ اور آئندہ کا علم رکھتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ (۲۶۰/۱)

باب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو جو بھی علم سکھایا وہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو بھی سکھانے کا حکم دیا اور وہ آپ کے ہر علم میں شریک تھے۔

(۱/۲۶۳)

باب: لوگوں کے پاس جو بھی حق بات ہے وہ ائمہ علیہم السلام ہی کی طرف سے ان تک پہنچی ہے۔ اور جو ان کے واسطے سے نہیں ملی وہ باطل ہے۔

(۱/۳۹۹)

یہ تمام ابواب بہت سی شیعی روایات پر مشتمل ہیں۔ یہ تمام حوالے اس ایڈیشن کے ہیں جو مکتبہ الصدوق طہران نے ۱۳۸۱ھ میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب شیعہ کی انتہائی بلند مرتبہ کتب میں سے ایک ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں کتاب اور مؤلفِ کتاب کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ مؤلف کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ یہ جو کچھ میں نے نقل کیا ہے ان کے متقدمین علماء کے اپنے ائمہ کے بارے میں غلو کا ایک نمونہ ہے۔

باقی رہا متاخرین کا ائمہ کے بارے میں غلو تو یہ ان کے ایک موجودہ دور کے امام خمینی کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے:

"امام علیہ السلام کے لیے ولایت اور حاکمیت کا ثبوت اس بات کا تقاضا

نہیں کرتا ہے کہ وہ اس مرتبہ سے محروم ہو گیا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور اس سے وہ عام حکمرانوں جیسا نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ امام کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل تعریف مقام اور بلند مرتبہ حاصل ہو تا ہے۔ نیز اسے ایسی تکوینی خلافت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی حکومت اور غلبے کے سامنے اس کائنات کا ذرہ ذرہ تابع فرمان ہو تا ہے۔ اور یہ ہمارے مذہب کا لازمی اور قطعی عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کو وہ مقام حاصل ہے کہ اس تک نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی اور رسول۔ اور ہمارے پاس ایسی کثیر روایات اور احادیث موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ جنابِ رسولِ اعظم ﷺ اور ائمہ علیہم السلام اس جہان کے وجود میں آنے سے قبل نور تھے۔ اللہ نے انہیں اپنے عرش کے ارد گرد مامور فرمایا اور ان کو وہ مرتبہ اور قرب نصیب فرمایا جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ معراج کی روایات کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا: اگر میں ایک پور کے برابر بھی آگے ہو جاؤں تو جل جاؤں گا، جبکہ ہمارے ائمہ علیہم السلام سے منقول ہے: "بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ کسی مقرب فرشتے حتی کہ کسی نبی و رسول میں بھی اس کی ہمت نہیں ہوتی۔"(۱)

---

(۱) الحکومۃ الاسلامیۃ: ص: ۵۲، من منشورات المکتبۃ الاسلامیۃ الکبری، طھران۔

کوئی عقل مند شخص اس جیسی باتیں سن کر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا:

﴿رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ آل عمران:۸۔

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو راہ راست سے ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بلاشبہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔“

جس شخص میں کچھ بھی عقل و شعور ہے اسے یقین ہے کہ اس قسم کی باتیں جو نقل کی گئی ہیں، وہ ان ائمہ کرام پر بہتان اور صریح جھوٹ ہیں۔ یقیناً ائمہ عظام ایسی باتوں اور ایسے پیروکاروں سے بری اور بیزار ہیں۔

دسویں فصل:

اہل بیت کی طرف جھوٹی نسبت جوڑنا حرام ہے

بہترین نسب نبی ﷺ کا نسب مبارک ہے اور آپ ﷺ کی طرف نسبت بلند ترین نسبت ہے، جو اہل بیت کے واسطے سے ہو بشرطیکہ وہ نسب صحیح ہو۔ عرب و عجم میں بے شمار لوگ اس نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جو شخص واقعتاً اہل بیت میں سے ہو اور وہ صاحب ایمان بھی ہو اسے تو عظیم فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اسے دو شرف حاصل ہیں: ایمان کا شرف بھی اور خاندانی شرف بھی۔ لیکن جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے اس نے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا، کیونکہ اس نے ایسی چیز کے حصول کا دعویٰ کیا جو اسے حاصل نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ» (صحيح مسلم، الأدب، باب النهي عن التزوير في اللباس وغيره....، ح: ٢١٢٩، من حديث عائشة رضي الله عنها)

"جو شخص ایسی چیز کے حصول کا دعویٰ کرے جو اسے حاصل نہیں وہ اس

شخص کی طرح ہے جس نے جھوٹ کا لباس (یا جعلسازی والا لباس) پہن رکھا ہو۔"

بہت سی صحیح احادیث میں اپنے نسب کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی حرمت بیان کی گئی ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَيْسَ مِنْ رَّجُلٍ ادَّعى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ، إِلاَّ كَفَرَ بِاللهِ، وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ نَسَبٌ فَلْيَتَبَوأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» (صحيح البخاري، المناقب، باب: ٥، ح:٣٥٠٨، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر!، ح:١١٢)

"جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور جو شخص ایسی قوم کی طرف نسبت کا دعویٰ کرے جن سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"

صحیح بخاری میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِن أَعْظَمِ الْفِرَى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِي عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُولَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ» (صحيح البخاري، المناقب، باب:٥، ح: ٣٥٠٩)

”سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کی بجائے کسی اور کو اپنا باپ کہے یا جھوٹا خواب بنائے جو اس نے نہیں دیکھا یا رسول اللہ ﷺ کی طرف عمداً ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جو وقف اہل بیت یا معززین اہل بیت کے لیے مخصوص ہے اس سے وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کا نسب اہل بیت سے ثابت ہو، نہ کہ جو بھی دعویٰ کرے۔“

دراصل ان سے یہ سوال کیا گیا کہ جو وقف اہل بیت معززین کے لیے مخصوص ہو تو کیا اس میں غیر معزز بھی شامل ہو سکتے ہیں؟ اور کیا وہ اس وقف سے کچھ لے سکتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

”اگر تو وقف نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت یا اہل بیت کی کسی خاص نسل مثلاً: علوی، فاطمی، طالبی یا عباسی وغیرہ کے لیے ہو تو اس کا مستحق وہی شخص ہوگا جس کا نسب صحیح طور پر اہل بیت یا مخصوص نسل سے ثابت ہو۔ جو صرف دعویٰ کرے اور کوئی ثبوت پیش نہ کرے یا جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ اہل بیت سے نہیں ایسا شخص اس وقف سے کچھ نہیں لے سکتا خواہ وہ اہل بیت میں سے ہونے کا دعویٰ کرتا رہے، مثلاً: عبداللہ بن میمون قداح کی اولاد۔ علم الانساب کے ماہرین صاف جانتے ہیں کہ ان کا نسب اہل بیت سے صحیح ثابت نہیں۔ اس بات کی گواہی بہت سے اہل علم دے چکے ہیں، جن میں محدثین، فقہاء، اہل کلام اور اہل انساب شامل ہیں۔ اور اس بات کی اچھی طرح بحث وتحقیق ہو چکی ہے۔ اہل اسلام کی بہت سی کتابوں میں بھی یہ بات ذکر ہو چکی ہے بلکہ اسے متواتر کہا جا سکتا ہے۔

اسی طرح جو وقف ”معززین“ کے لیے ہو اس میں سے وہی لوگ حصہ لے سکتے ہیں جن کا نسب صحیح طور پر اہل بیت سے ثابت ہو۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی مخصوص خاندان یا نسل کے لیے وقف کرے، اس میں اہل بیت کی تخصیص نہ ہو اور موقوفہ جائیداد وقف کرنے والے کی ملکیت ہو اور اس کا

کسی مخصوص خاندان کے لئے وقف کرنا صحیح ہو تو وہی مخصوص خاندان یا نسل کے لوگ اس کے مستحق ہوں گے اور بنو ہاشم اس وقف کے مستحق نہ ہوں گے۔"[1]

***

الحمد للہ "اہل سنت کے نزدیک اہل بیت کا مقام و مرتبہ" نامی کتاب کی ابحاث یہاں مکمل ہو چکی ہیں۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے جن سے اس کی رضامندی حاصل ہو، ہمیں اپنے دین حنیف کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور حق اور سچ پر ثابت قدم رکھے، یقیناً وہی دعاؤں کو سننے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اور نبی پاک حضرت محمد ﷺ، آپ کی آل و نسل اور آپ کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

(۱) مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ۳۱/ ۹۳۔